۲۲

بائیس خانوادے

جن کے تصرف میں
پاکستان کی ۸۰ فیصد قومی پیداوار اور دولت ہے

اے' آر' شبلی

قیمت : سات روپے پچاس پیسے

بار اول

نومبر ۱۹۷۲ء

ناشر : قمر تسکین ، ۱۲ - لاہور روڈ ، لاہور

طابع : خواجہ محمد منیر ، سن بیم کمرشل آرٹ پریس ،
۴۱ - چیمبرلین روڈ ، لاہور

مکتبہ

پیپلز پبلشرز

۱۲ - لاہور روڈ ، لاہور

نیوز پرنٹ پرمٹ نمبر : 3(13)71—ABC/49—4

بائیس خانوادوں سے

تاریخ ایک قدم آگے بڑھ چکی ہے ۔ اب نئی قوتیں ابھر رہی ہیں جن کا تعلق نوزائیدہ سرمایہ داری سے ہے ۔ جب سرمایہ داری پر ایک چوٹ پڑتی ہے تو آپ بھڑک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طبقاتی نفرت پھیلائی جا رہی ہے ۔ آپ تاریخی قوتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں ۔ فرض کیجئے آج ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے کہہ دیا جائے کہ نفرت کی باتیں مت پھیلاؤ تو کیا اس سے نفرت کی مہم رک جائے گی ۔ کیا سرمایہ پرستی کے خلاف پروپیگنڈا بند ہو جائے گا ؟ آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ آپ ایشیا میں رہتے ہیں جس کو زبردست انقلاب کا سامنا ہے ، جس سے کوئی مفر نہیں ۔ یورپ میں ایسا دور آ چکا ہے ۔ ایشیا میں یہ دھماکہ کہیں زیادہ زور سے ہوگا کیونکہ یہاں آبادی زیادہ ہے وسائل کم ہیں اور ٹیکنالوجی کمزور ہے ۔ ایشیا کو یہ موقع نہیں ملا کہ یورپ کا استحصال کرے لیکن یورپ کو یہ موقع مل چکا ہے ۔ آپ کو دائمی عافیت گاہ میسر نہیں آ سکتی ۔ ہمارے آبا و اجداد نے بھی یہی غلطی کی ۔ وہ تاریخ کے دھارے کو دیکھنے سے قاصر رہے ۔ آپ ہوا کا رخ پہچانیں اور نئے دور سے ہم آہنگی پیدا کریں ۔ روس میں

انقلاب آیا ، چین میں آیا ، یوگوسلاویہ ، رومانیہ ، پولینڈ سب سوشلسٹ ہوگئے ۔ یہاں بھی انقلاب آئے گا ۔ تاہم سوشلزم کے نفاذ کے لئے اشتراکی بنیاد ہونی چاہئے ۔ پاکستان کو یہ بنیاد استوار کرنے میں کچھ وقت لگے گا ۔ سوشلزم کے لئے پیداوار اور تقسیم کے وسائل مملکت کے پاس ہونے چاہئیں ۔ لیکن میری کوشش کے باوجود ''آج،، ہی ''کل،، نہیں ہو سکتی ۔ ایک چیز ''جدلیاتی عمل،، یہ ہے ۔ ہم اس کے پابند ہیں ۔ اس سماجی عمل کی تکمیل کے لئے مہلت درکار ہے ۔ تا ہم اگر آپ کا خیال ہے کہ سوشلزم آنے سے قیامت ٹوٹ پڑے گی تو میں اس قیامت کو نہیں روک سکتا ۔

صدر پاکستان

ذوالفقار علی بھٹو

خطاب کراچی چیمبرز آف کامرس

اینڈ انڈسٹری ۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء

محترمی شبلی صاحب ۔ السلام علیکم

آپ کا گرانقدر مضمون — ۳۰ خانوادے — امروز کے استقلال نمبر میں نظر نواز ہوا ۔ آپ نے ایک اہم قومی خدمت انجام دی ہے ۔ میری جانب سے ہدیۂ مبارک باد قبول فرمائیے ۔

مضمون کی افادیت کا تقاضا ہے کہ یہ مزید وسیع حلقوں تک پہنچایا جائے ۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اسے نصرت کے آئندہ شمارے میں شائع کر دیں گے ۔ نصرت کے لئے اگر آپ مضمون میں کچھ ترمیم و اضافہ کرنا چاہیں تو یہ اور بڑی اچھا ہوگا — خصوصاً اضافہ ۔

اگر میری گزارش قابل قبول سمجھیں تو ہم نصرت کے تازہ شمارے میں مضمون کے بارے میں اعلان کر دیں ۔ ناچیز نذرانہ پیش خدمت ہے ۔

lands of poverty and exposed the opulent few, their ogopolistic hold on the market and the vertical integration as a power-elite. He has also discussed the recent measures—mostly half-hearted—initiated by the present regime to force industrial barons to divest themselves of their excessive wealth and economic power which have caused socio-economic imbalances and popular discontents.

In the last chapter on "nationalisation" Mr. Shibli compares the capitalist and Marxist theories of economic growth and concludes that Pakistan has just reached the stage where nationalisation has become imperative. He rules out "bloody revolution" and stresses that the country should adopt the course suggested by the Quaid-i-Azam—reordering society on an egalitarian basis. The Quaid, it may be recalled, had warned the stewards of Pakistan's economy against the attendant pitfalls of the Western economic system and affirmed that our economic salvation lay not in aping the East or West, but in breaking new ground and working our destiny in our own way in the light of Islamic Socialism. For this Mr. Shibli has put forward notable ideas which merit the attention of the economists, planners and administrators of Pakistan, who are groping towards a new order—a just and equitable order.

—A. T. CHAUDHRI
The 'Pakistan Times'

Dated, Lahore, 9-5-1972.

Preface

The doyen of Pakistan's journalists, Mr. A. R. Shibli, who made his debut in journalism as a leader-writer on the staff of the "Zamindar" in the halcyon days of Maulana Zafar Ali Khan, has turned the searchlight of his scholarship on the 22 families of Pakistan which have gained control of the commanding heights of the national economy. This pains-taking job called for incisive analysis, professional objectivity and intellectual integrity, qualities which Mr. Shibli eminently possesses. The author has waged a life-long struggle against oppression and exploitation, and fearlessly taken up the cudgels against wrong in high places. A bachelor at 55, he belongs to that select band of journalists who are indifferent to the allurements of life and are only wedded to their profession.

It is thus with a social conscience that Mr. Shibli has spotlighted the over-concentration of wealth and economic power in a few hands in this country. Formerly, the Zahiruddin Committee, the Credit Inquiry Commission and some planning experts had brought this issue into sharp focus. But they failed to identify the privileged families and hesitated to call a spade a spade. Mr. Shibli has boldly pinpointed the islands of wealth in the waste-

پیش لفظ

پاکستان کے اس نئے دور کے بابائے صحافت مسٹر اے ۔ آر شبلی نے ، جو مولانا ظفر علی خان کے دور کمال کے آخری ایام میں روزنامہ ''زمیندار،، کے اداریہ نویس کی حیثیت سے افق شہرت پر نمودار ہوئے، ان ۲۲ خاندانوں کا تجزیہ بڑے محققانہ انداز میں کیا ہے جنہوں نے قومی معیشت کے اونچے محلوں پر قبضہ کر رکھا تھا ۔ یہ محنت طلب کام جس ژرف بینی ، پیشہ وارانہ خلوص و دیانت اور فہم و فراست کا طالب ہے ، اس سے مسٹر شبلی بدرجہ اتم متصف ہیں ۔ انہوں نے زندگی بھر ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف جہاد کیا ہے اور جہاں بھی بدی دیکھی ہے اسکے مقابلہ کے لئے میدان میں اترے ہیں ۔ وہ ۵۵ سال کی عمر میں بھی ناکتخدا ہیں اور صحافیوں کے اس زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں جو زندگی کی ترغیبات سے بے نیاز اپنے کام میں مگن رہتے ہیں ۔

مسٹر شبلی نے اپنے معاشری ضمیر کو بروئے کار لا کر ارتکاز دولت پر روشنی ڈالی ہے ۔ اس سے قبل ظہیرالدین کمیٹی ، کریڈٹ انکوائری کمیشن اور منصوبہ بندی کے بعض ماہرین نے بھی یہ مسئلہ اٹھایا تھا ، لیکن وہ مراعات یافتہ خاندانوں کی نشاندھی کرنے اور لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف بات کہہ دینے سے گریز کرتے رہے ۔ مسٹر شبلی نے پہلی مرتبہ جرأت و دلیری سے کام لیکر اس خرابۂ افلاس میں دولت کے چمکیلے جزیروں سے پردہ اٹھایا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح مٹھی بھر زرداروں نے رسد و بہمرسانی کے بازاروں پر تسلط جما رکھا ہے اور کس طرح افقی انضمام کے طفیل قوت و اقتدار کی زمام ان کے ہاتھ میں آ گئی ہے ۔

مسٹر شبلی نے حکومت کے ان نیم دلانہ اقدامات سے بھی بحث کی ہے جو ''صنعتی وڈیروں،، کو اس دولت و اقتدار سے محروم کرنے کے لئے عمل میں لائے گئے جس کے باعث معاشری و معاشی عدم توازن اور ایک عام بیچینی پیدا ہو چکی ہے ۔

آخری باب ''قومی ملکیت،، میں مسٹر شبلی نے معاشی نمو کے سرمایہ دارانہ اور مارکسی نظریات کے تقابل کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ پاکستان اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے جہاں صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینا ناگزیر ہو جاتا ہے ۔ ان کے نزدیک ''خونریز انقلاب،، خارج از بحث ہے ۔ اس لئے ملک کو وہ

رستہ اختیار کرنا ہو گا جسکی نشاندھی قائداعظم نے کی تھی ، یعنی معاشرے کو عادلانہ اور منصفانہ بنیادوں پر استوار کیا جائے ۔ قائداعظم نے پاکستان کے ارباب حل و عقد کو ان خطرات سے آگاہ کیا تھا جو معاشی نظام کے مغربی طریق کار کو اختیار کرنے سے پیش آ سکتے ھیں اور بتایا تھا کہ ملک کی نجات مشرق یا مغرب کی بھونڈی نقالی سے وابستہ نہیں بلکہ "اسلامی سوشلزم" کی روشنی میں 'خود تقدیر یزداں' بن جانے میں ھے ۔

مسٹر شبلی نے اس خصوص میں بعض قابل قدر تجاویز پیش کی ھیں جن سے پاکستان کے وہ تمام معاشی ماھر، منصوبہ کار اور حکام مستفید ہو سکتے ھیں جو ایک نئے نظام —منصفانہ اور عادلانہ نظام— کی تلاش میں سرگرداں ھیں ۔

اے ۔ ٹی چوھدری

پاکستان ٹائمز

لاھور، ۹ مئی ۱۹۷۲ء

مندرجات

باب ۱

صنعت و تجارت کے بادشاہ

باب ۲

ارتکاز دولت

باب ۳

اجارہ شکنی

باب ۴

صنعتی ملوکیت پر عوامی ضرب

باب ۵

مینیجنگ ایجنٹ

باب ۶

مقبوضہ کارخانوں کا جائزہ

باب ۷

پرانے قیصر اور نئے فغفور

باب ۸

اسلامی سوشلزم کی طرف

باب ۹

چند ہاتھ - چند چہرے

باب ۱

صنعت و تجارت کے بادشاہ

عام طور پر مشہور ہے کہ پاکستان کی قومی دولت پر صرف ۲۲ خانوادوں کا قبضہ ہے - لیکن یہ بات کب اور کہاں سے چلی اور اب کس حد تک صحیح ہے ؟ اب سے بارہ برس قبل وزارت مالیات کے ایک اعلیٰ افسر مسٹر ظہیرالدین نے کریڈٹ کمیٹی کی رپورٹ میں یہ انکشاف کیا کہ جدولی اور تجارتی بنکوں نے عوام کی امانتوں میں سے جو روپیہ کاروباری طبقے کو آدھار دینے کے لئے مخصوص کر رکھا ہے اس میں سے بڑی بڑی رقوم (پچاس لاکھ روپیہ یا زائد) معدودے چند خاندانوں کے افراد نکلوا کر لے جاتے ہیں اور نام بدل بدل کر ان سے مستفید ہوتے رہتے ہیں - کمیٹی نے مثال کے طور پر بتایا کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء کو صرف ۲۳ نفوس ایسے تھے جن کو

۳۳ کروڑ ۸۳ لاکھ روپیہ بطور قرض دیا گیا - اسی طرح
۳۱ مارچ ۱۹۵۹ء تک ۴۱ کروڑ ۹۷ لاکھ روپیہ ۳۱ افراد
میں تقسیم ہوا - ۳۱ دسمبر ۱۹۶۱ء تک قرض لینے والوں کی
تعداد ۴۱ ہوگئی - لیکن مجموعی طور پر ان کو ۶۱ کروڑ
۹۲ لاکھ روپیہ ملا - اس سے چند ماہ بعد (۳۱ مارچ ۱۹۶۲ء
کو) قرض لینے والوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا
لیکن ۴۲ افراد کا حصہ رسدی ۷۹ کروڑ ۵۳ لاکھ روپیہ بنا -
اس کے مقابلے میں جن کھاتہ داروں کو پچاس لاکھ روپیہ سے
کم اُدھار ملا ان کی تعداد ۲۰۹ تھی - بایں ہمہ وہ ۴۰ کروڑ
روپیہ سے زیادہ قرض کے مستحق نہ سمجھے گئے - سب سے زیادہ
بے انصافی نچلے طبقے سے ہوئی جس کی تعداد یوں تو لاکھوں
تک پہنچتی ہے لیکن اسے ۵۳ ہزار روپیہ سے زیادہ قرض نہیں
ملتا ، چنانچہ کریڈٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق اسے مجموعی
طور پر ۲۰ کروڑ ۴۱ لاکھ روپیہ قرض دیا گیا - اسی تحقیق
کی بنا پر کریڈٹ انکوائری کمیشن نے لکھا کہ بنکوں نے
اپنا ۶۲٫۷۰ فیصد سرمایہ صرف ۲۲۲ حساب داروں کے کھاتہ
میں پھنسا رکھا ہے اور چھوٹے قرض خواہوں کا حصہ ۵٫۶
فیصد سے زیادہ نہیں ہے -

مایا کو مایا ملے

منصوبہ بندی کمیشن کے شعبۂ تحقیق کے سربراہ مسٹر

آر - ایچ کھنڈیکر نے ۱۹۶۱ء کے ایک سیمنار میں
''ارتکاز دولت،، پر جو مقالہ پڑھا اس میں کہا تھا کہ جن
ممالک میں تاجروں کی کثرت ہے ان میں صرف ۱۰ فیصد لوگ
سرمایہ دار ہوتے ہیں جو اپنا روپیہ بچا بچا کر اکٹھا کرتے ہیں
اور قومی دولت کے چالیس فیصد پر قابض ہو جاتے ہیں - یہ
مشاہدہ کم سے کم پاکستان کے معاملے میں صحیح ثابت نہیں
ہوا کیونکہ تجارتی بنکوں کے گوشواروں کا تجزیہ کیا جائے تو
معلوم ہوگا کہ ان کے پاس ۱۹۶۸ء تک ۹۲ ارب ۲۵ کروڑ
روپیہ امانتوں کے حساب میں جمع تھا جس کا نوے فیصد
انہوں نے قرض کے لئے مخصوص کر رکھا تھا - اس میں سے
۶۰ فیصد روپیہ اس طبقے نے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ
کاٹ کر امانت کے طور پر رکھوایا تھا جس کو اصطلاح
میں ''قلیل آمد،، کہا جاتا ہے لیکن اُدھار میں اس کے حصے
۲۰ فیصد سے زیادہ نہ آیا - اس کے برعکس بڑے کھاتہ داروں
کی تعداد ۲۱ فیصد ہے لیکن وہ عوام کی پونجی میں سے
۸۰ فیصد بطور قرض اٹھا کر لے جاتے ہیں -

انہی حقائق کی بنا پر ۱۹۶۳-۶۴ء کے مرکزی میزانیہ
کے موقع پر اس زمانہ کے وزیر خزانہ مسٹر محمد شعیب نے یہ
انکشاف کیا کہ بنکوں نے جو رقم اُدھار کے لئے علیحدہ کر
رکھی ہے اس سے صرف ۲۰ خاندان مستفیض ہو رہے ہیں -

اسی دور میں یہ بھی بتایا گیا کہ بازار حصص کے ذریعے اربوں روپے کا جو سرمایہ جمع ہو کر صنعت و تجارت کے میدانوں کو سیراب کرتا ہے اس کے منبع پر بھی معدودے چند افراد قابض ہیں کیونکہ انہوں نے جو شراکتی ادارے اور لمیٹڈ کمپنیاں بنا رکھی ہیں ان کے بیشتر حصص پر ان کی یا ان کے عزیز رشتہ داروں کی اجارہ داری قائم ہے۔

اس کے بعد مشرقی پاکستان کے ماہر مالیات ڈاکٹر ایم۔ این ھدیٰ نے بات آگے بڑھائی اور کہا کہ پاکستان کی قومی دولت کے ۶۰ سے ۸۰ فیصد حصے پر صرف بائیس (۲۲) خانوادے قابض ہیں۔ پھر منصوبہ بندی کمیشن کے چیف اکانومسٹ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ ان ۲۲ خانوادوں نے صنعتی اداروں کے ۶۶ فیصد، بیمہ کمپنیوں کے ۹۷ فیصد اور بنکوں کے ۸۰ فیصد سرمایہ پر تصرف کر رکھا ہے۔ لندن کے ''اکانومسٹ'' نے اپنے ملک اور امریکہ کے معیار کے مطابق قدرے کسر نفسی سے کام لیا اور لکھا کہ پاکستان میں پانچ بڑے ادارے اپنی اجارہ داری قائم کر چکے ہیں اور چھٹا ابھی ابھر رہا ہے۔ (ظاہر ہے اس کا اشارہ ریٹائرڈ جنرل حبیب اللہ کی جانب تھا)۔

شعیب سٹڈی گروپ

قومی اخبارات اس صورت حال سے بے خبر نہیں تھے۔

انہوں نے کریڈٹ انکوائری کمیشن کی رپورٹ کے منظر عام پر آتے ہی ۱۹۶۰ء کے بعد یہ زور دینا شروع کر دیا تھا کہ اجارہ داری کے اس رجحان کو روکا جائے اور ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو ''منصفانہ تقسیم دولت'' کے نظریہ پر مبنی ہو۔

چنانچہ سابق صدر محمد ایوب خان نے اپنے ''منشور'' اور پنجسالہ منصوبے کے دیباچہ میں واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ جس نظام کا خاکہ ان کے ذہن میں ہے اس میں اجارہ داری کی کوئی گنجائش نہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں تاکہ معاشری انصاف کا تقاضا پورا ہو سکے۔ اسی ''منشور'' کے مطابق سابق وزیر خزانہ مسٹر محمد شعیب نے ۱۹۶۳-۶۴ء میں ''سٹڈی گروپ'' قائم کیا جس کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ ملک میں اجارہ داری کے جو رجحانات پیدا ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کر کے بتائے کہ ان کو ختم کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ خیال تھا کہ یہ گروپ ایک سال کے اندر اندر اپنی رپورٹ پیش کر دے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جس طبقے پر اثر پڑنے والا تھا اس نے سفارشات کا پہلے ہی اندازہ لگا لیا۔ چنانچہ یہ رپورٹ آج تک شائع نہیں ہو سکی۔

باین ہمہ اس دوران میں عوام کے آنسو پونچھنے کے لئے

ایک، دو بنکوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ چھوٹے حساب داروں
کا خاص طور پر خیال رکھیں اور اس غرض کے لئے تین بڑے
بنکوں نے ''عوامی قرض'' کے نام سے علیحدہ شعبے بھی قائم
کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ''ضمانت'' کی سدراہ نے مسئلہ کو پھر
بھی تصفیہ کے مرحلے پر نہ آنے دیا - اور چھوٹے قرض خواہ
اس دریا سے فیضیاب نہ ہو سکے ، ادھر بازار حصص میں کچھ
اصلاحات نافذ کی گئیں اور ''دولت ٹیکس''، ''عطیہ ٹیکس'' اور
''اضافی سرمایہ ٹیکس'' لگانے کے علاوہ انکم ٹیکس ایکٹ کی
دفعہ ۲۳ الف میں ترمیم کر دی گئی جس کا مقصد یہ تھا
کہ پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیاں اپنی شراکت داری کے دائرے کو
وسیع کریں اور ۱۹۷۰ء تک اپنے آپ کو پبلک لمیٹڈ کمپنیوں
کی صورت دے دیں - لیکن اجارہ داروں نے اس کی پرزور
مخالفت کی اور ''قانون کمیشن'' کی سفارش کے باوجود ''مینجنگ
ایجنسیاں'' توڑنے پر اب تک رضامند نہیں ہوئے حکومت نے
تھوڑی پونجی والے عوام کو تجارت و صنعت میں برابر کا شریک
بنانے کے لئے نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ (این۔آئی۔ٹی) اور انوسٹمنٹ
کارپوریشن آف پاکستان میوچل فنڈ (آئی۔سی۔پی) کے نام سے دو
ادارے بھی قائم کئے لیکن بدقسمتی سے ان اداروں پر بھی
وہی صنعت کار تاجر حاوی رہے جن پر ''صنعتی اتحاد'' اور
''صنعتی اجارہ داری'' قائم کرنے کا الزام ہے اس لئے جتنا سرمایہ

بھی جمع ہوتا ہے وہ ہر پھر کر انھی کے اداروں میں چلا جاتا
ہے - خیال تھا کہ سرمایا کاری کے ان اداروں سے عوام کے لئے
''زاید آمدنی'' کی کوئی صورت بن سکے گی - لیکن نیشنل
انوسٹمنٹ ٹرسٹ کی کارگزاری کا اندازہ صرف اس حقیقت سے
ہو سکتا ہے کہ اب تک اس کے ایک حصے کی مالیت میں
اڑھائی روپے سے زائد اضافہ نہیں ہو سکا - (حالانکہ عام صنعتی
حصص کی مالیت کئی گنا بڑھ چکی ہے) اور پار سال کی طرح
اس سال بھی اس نے ایک روپیہ پانچ پیسہ فی حصہ سے زائد
منافع تقسیم نہیں کیا - غرض تقسیم دولت کے بارے میں
''سٹڈی گروپ'' کی رپورٹ نہ شائع کرنے کے باوجود حکومت
نے گزشتہ پانچ برس میں سرمایہ کاری کا دامن وسیع کرنے
کے لئے بعض اقدامات ضرور کئے ہیں - لیکن بحیثیت مجموعی
چونکہ نہ عوام کی حالت سدھری ہے نہ اجارہ داریوں کا خاتمہ
ہوا ہے - اس لئے مارشل لا کے نفاذ سے پہلے اگر ایک طرف
مزدوروں اور ملازمت پیشہ لوگوں نے اپنے معاوضے میں اضافے
کا مطالبہ کیا اور دوسری طرف اجارہ داری کی لعنت کے خلاف
نعرے لگائے تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے -

اکتناز دولت

حکومت نے عوامی احتجاج سے مجبور ہو کر وعدہ کیا
تھا کہ ''شعیب سٹڈی گروپ'' کی رپورٹ بہت جلد شائع

کر دی جائے گی ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ۔ کیونکہ جو اعداد و شمار آج سے ۱۰-۸ برس قبل جمع کئے گئے تھے وہ فرسودہ ہو چکے ہیں ۔ ادھر چونکہ آرڈی ننس کا مسودہ منظرعام پر آ چکا ہے اس لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ پاکستان میں اکتناز دولت کی انتہا کیا ہے اور اس پر قابو پانے کا کیا طریقہ ہے ۔

مجوزہ قانون میں اجارہ داری تعریف یہ کی گئی ہے کہ :

(الف) وہ کاروباری ادارہ جو کسی نوعیت کے مال کی مجموعی مقدار کی ایک تہائی تیار کر کے فروخت یا مہیا کرے یا اس کی پیداکاری اور تقسیم پر مکمل اختیار رکھے ۔

(ب) پاکستان میں کسی نوعیت کی تجارتی یا صنعتی خدمت (مثلاً ، بنک ، بیمہ وغیرہ) کی ایک تہائی انجام دے یا اس پر اختیار رکھے ۔

اس تعریف کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان کی مجموعی پیداوار کتنی ہے ، اور اس کے کتنے حصے پر کتنے خانوادے قبضہ و قدرت رکھتے ہیں ؟

پاکستان کے معاشی جائزہ ۱۹۶۹-۷۰ (مطبوعہ وزارت خزانہ) کے مطابق پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار ۵۴ ارب ۵۰ کروڑ روپے سالانہ ہے جس میں تقریباً ۶۹ء۴۴ فیصد زرعی پیداوار شامل ہے اس لئے ظاہر ہے کہ صنعت و تجارت اور

خدمات کی پیداواری مالیت تیس ارب روپیہ سے کسی صورت میں کم نہیں ہے ۔ یہ پیدوار ان ہزاروں صنعتی کارخانوں کی مرہون منت ہے جو ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ لیکن ان پر قبضہ گنتی کے چند کاروباری اداروں کا ہے جن میں سے ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء تک ۳۱۹ بازار حصص کی فہرست میں شامل تھے اور مختلف شعبوں میں بٹے ہوئے ہیں ۔ مثلاً بیمہ ، بنک ، سوتی اور ریشمی پارچات ، پٹ سن ، ادویہ سازی ، چینی ، کاغذ ، گتہ ، بناسپتی گھی ، سیمنٹ ، تمباکو ، تیل گیس اور بجلی ، انجینئرنگ اور تعمیرات ، ہوائی اور سمندری جہاز ، متفرق ۔ ۳۰ جون ۱۹۷۱ء تک ان کی مجموعی مالیت چھ ارب اٹھارہ کروڑ پچپن لاکھ روپے تھی ۔

ان اداروں کی انتظامی ہیئت ترکیبی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صنعت و تجارت پر فی الواقع صرف چند ''نفوس قدسی'' کا قبضہ ہے اور وہی پاکستان کی اربوں روپے کی قومی دولت میں کھیل رہے ہیں ۔

سوتی کپڑے کے کارخانے

اس وقت پاکستان کی سب سے بڑی صنعت پارچہ بافی ہے ۔ ۱۹۴۹ء میں بازار حصص کی فہرست پر سوتی کپڑے کے صرف دو کارخانوں کا نام تھا جن پر ۶۴ لاکھ روپیہ سرمایہ لگا ہوا تھا ۔ اس وقت ان کی تعداد ۸۰ ہے اور ادا شدہ

سرمایہ ۴۷ کروڑ روپیہ ہے - پوری فہرست درج ذیل ہے -

۱ - افسر ۲ - احمد بھوانی ۳ - احمد سپننگ
۴ - علی اصغر ۵ - الائیڈ ۶ - اللہ وسایا ۷ - العطا ۸ - المرتضیٰ
۹ - امین ۱۰ - النور ۱۱ - انور ۱۲ - عائشہ ۱۳ - بہاولپور
۱۴ - بخش ۱۵ - بلوچستان ۱۶ - بھوانی ۱۷ - بوریوالہ
۱۸ - سنٹرل ۱۹ - چناب ۲۰ - چودھری ۲۱ - چشتی
۲۲ - کالونی ۲۳ - کالونی سرحد ۲۴ - کالونی تھل ۲۵ - کریسنٹ
۲۶ - داؤد ۲۷ - دوست محمد ۲۸ - ڈی - ایم ۲۹ - ایلائٹ
۳۰ - فقیر ۳۱ - فتح ۳۲ - فضل کلاتھ ۳۳ - فضل
۳۴ - فیروز سلطان ۳۵ - ایف - پی ۳۶ - غفور ۳۷ - جی - ایچ
ھدایت اللہ ۳۸ - گلوب ۳۹ - گل احمد ۴۰ - گلبرگ
۴۱ - گلستان ۴۲ - حافظ ۴۳ - حسین ۴۴ - انڈس انڈسٹریز
۴۵ - جانانہ ۴۶ - کریم ۴۷ - خیرپور ۴۸ - خیبر ۴۹ - کوہاٹ
۵۰ - کوہ نور ۵۱ - کوڑی ۵۲ - مدینہ ۵۳ - ایم-ایف-ایم-سوانی
۵۴ - میر ۵۵ - محمد فاروق ۵۶ - مسلم ۵۷ - نشاط انڈسٹریز
۵۸ - نشاط ملز ۵۹ - نون ۶۰ - نور ۶۱ - اولمپیا ۶۲ - پنجاب
۶۳ - کوئٹہ ۶۴ - رچنا ۶۵ - آر - آر ۶۶ - صادق آباد
۶۷ - صلی ۶۸ - ست رنگ ۶۹ - سروس ۷۰ - شفیق
۷۱ - شمس ۷۲ - سندھ فائن ۷۳ - سٹار ۷۴ - سن شائن
۷۵ - ستلج ۷۶ - سعید سہگل ۷۷ - ٹنکیل ۷۸ - یونائٹڈ

۷۹ - ولیکا ۸۰ - یوسف -

سوتی پارچہ باف کی ان کمپنیوں کی نظامت (ڈائرکٹوریٹ) کا مطالعہ کیا جائے تو ذیل کے نام امتیازی نظر آئیں گے -

آدم جی ، سہگل ، حبیب ، اصفہانی ، شیخ اے نصیر ، امیر علی فینسی ، داؤد ، ولی بھائی ، دادا ، رنگون والا ، مظفر علی قزلباش ، عباس خلیلی ، بھوانی ، قاسم دادا ، میاں بشیر محمد امین ، حاجی دوست محمد ، فقیر سنز ، سلطان احمد ، جاپان والا - خٹک فیملی (یوسف خان جنرل حبیب اللہ وغیرہ) ، روشن علی بھیم جی، دولتانہ فیملی، مذور خاندان ، ولیکا ولی بھائی، محمد حنیف بھائی اس کے علاوہ بعض سابق سرکاری ملازم بھی ان میں شامل ھیں -

ان میں سے جن کمپنیوں کا منافع (ٹیکس ادا کرنے سے پہلے) سب سے زیادہ ہے ان کی فہرست ملاحظہ فرمائیے -

نام	۱۹۷۱ء میں ادا شدہ سرمایہ سے منافع کا تناسب	
۱ - امین	۳۸٫۹۳	فیصد
۲ - چشتی	۵۸٫۷۵	"
۳ - کالونی	۴۳٫۱۷	"
۴ - کالونی سرحد	۵۳٫۷۶	"
۵ - کالونی تھل	۴۴٫۷۰	"

۶ - داؤد	۳۴٫۱۴	,,
۷ - ڈی - ایم	۴۴٫۵۳	,,
۸ - کریسنٹ	۳۳٫۶۵	,,
۹ - گل احمد	۵۳٫۶۳	,,
۱۰ - حسین	۵۷٫۳۴	,,
۱۱ - انڈس	۲۵٫۸۶	,,
۱۲ - جانانہ	۰۰٫۰۶	,,
۱۳ - کوہ نور	۶۰٫۶	,,
۱۴ - آر - آر	۱۰۱٫۴۰	,,
۱۵ - ست رنگ	۶۴٫۰۰	,,
۱۶ - شفیق	۴۵٫۷۲	,,
۱۷ - سن شائن	۵۳٫۰۹	,,
۱۸ - سعید سہگل	۶۸٫۹۳	,,

دلچسپ بات یہ ہے کہ منافع پر اتنے بڑے تناسب کے باوجود ان کارخانوں میں سے نصف کو ابھی تک ٹیکس سے چھٹی ہے ۔ پھر ان میں سے اکثر کے حصص کی قیمت دو چند ہوگئی ہے ۔ مثلاً حسین انڈسٹریز کے دس روپے کا حصہ ۱۹۶۹ء میں ۲۱ روپے ۹۴ پیسے میں فروخت ہوتا رہا ہے ۔ اسی طرح حافظ ، ولیکا ، ٹنگیل اور داؤد کے حصص کی قیمت علی الترتیب ۱۷٫۷۷ - ۲۷٫۲۳ - ۳۴٫۵۵ اور ۲۰ روپے ہے ۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پارچہ بافی کے سرمایہ حصص کی قیمت کس طرح بڑھ چکی ہے اور جن لوگوں نے حکومت اور بنکوں سے قرض لے کر یہ کاروبار شروع کیا تھا وہ کس طرح کروڑوں روپے میں کھیل رہے ہیں ۔

اس میں شک نہیں کہ ان ملوں کے طفیل پاکستان کپڑے اور سوت کے معاملہ میں اب نہ صرف خود کفیل ہو چکا ہے بلکہ یہ مصنوعات برآمد کر کے وہ ساٹھ کروڑ روپیہ سالانہ زرمبادلہ بھی کماتا ہے ۔ اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ لوگوں کو نہ تو ارزاں کپڑا دستیاب ہوتا ہے نہ اس کا معیار اتنا بلند ہے جتنا دوسرے ملکوں کے کپڑے کا نظر آتا ہے ۔ اس اعتراض کے جواب میں کارخانے دار یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ روئی منہگی ہے ۔ اس کے علاوہ محصول چونگی نے ان کی کمر توڑ رکھی ہے ۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو ۔ لیکن اس کا کیا جواز ہے کہ ان کی منافع خوری کے تناسب میں سال بسال اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔ اور اس میں صارفین کو مطلق شریک نہیں کیا جاتا بلکہ چند خانوادے ہیں جو تمام مفاد کی آپس میں بندر بانٹ کر لیتے ہیں ۔ ۱۹۷۰ء میں ۸۰ میں سے صرف ۵۰ ملیں ایسی تھیں جنہوں نے اپنے حصہ داروں میں ڈیوی ڈنڈ (منافع) تقسیم کیا ۔ ان میں سے جانانہ ڈی ملوچو ، چشتی اور کالونی سرحد نے ۴۲ سے ۶۵ فیصد اور

باقی نے دس سے ساڑھے بارہ فیصد تک منافع متسومہ کا اعلان
کیا ۔ جہاں تک زرمبادلہ کمانے کا تعلق ہے اس سے ملک کو
کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ۔ بورڈ آف اکونامک انکوائری پنجاب
کے ماہرین ثابت کر چکے ہیں کہ کپڑے اور سوت سے ایک
ڈالر (یعنی پانچ روپے کے قریب) کمانے کے لئے پاکستان کو
کپڑا بنانے کے لئے بارہ روپے اور سوت تیار کرنے کے لئے
اکتیس (۳۱) روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں ۔ اب اندازہ کیجئے
کہ جس چیز کی ساخت پر آمدنی سے دگنی بلکہ پانچ گنا لاگت
آتی ہو اسے برآمد کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے ؟

ریشمی پارچات کے کارخانے

اب آیئے ریشمی کارخانوں کی طرف ، پاکستان میں ریشمی
اور نائیلون کے پارچات تیار کرنے والے کارخانے چودہ (۱۴)
کمپنیاں چلا رہی ہیں ۔ جن کا ادا شدہ سرمایہ ۲۱ کروڑ
۳۲ لاکھ روپے ہے ۔ ان کے بڑے بڑے ڈائرکٹر یہ ہیں ۔
ولی بھائی ، داؤد ، حاجی حبیب ، ایچ اے کریم ، سہگل ،
احمد داؤد ، پیر محفوظ اور شیخ محبوب الٰہی ۔ ان میں سے پانچ
کارخانے خاص طور پر اہم ہیں ۔

ٹیکس ادا کرنے سے پہلے ادا شدہ سرمایہ سے ان کے منافع

کا تناسب ۱۹۶۹ء میں حسب ذیل تھا ۔

نام	تناسب منافع
۱ ۔ کریم سلک	۴۰٫۵۵ فیصد
۲ ۔ ولیکا آرٹ	۳۷٫۸۱ ,,
۳ ۔ کیریلین	۳۳٫۵۰ ,,
۴ ۔ نیشنل سلک	۳۳٫۱۷ ,,
۵ ۔ فل برائٹ	۱۶٫۷۷ ,,

گویا سب سے زیادہ منافع کریم سلک ملز کو ہو رہا
ہے ۔ کیریلین سلک ملز کا منافع بھی اس کے قریب قریب پہنچ
جاتا ہے ۔ لیکن اسے مزید فائدہ یہ ہے کہ ٹیکس ادا کرنے کے
بعد اسے ہر دس روپے کے حصہ پر تین روپے پینتیس پیسے
بالمقطع نفع ہوتا ہے اس کے باوجود ۱۹۷۰ء تک اسے ٹیکس
سے چھٹی دے دی گئی ۔ تعجب ہے کہ ۱۹۷۰ء میں اس
نے اپنے حسابات میں خسارہ دکھایا ہے ۔ حصص میں سب سے
زیادہ آمدنی ولیکا آرٹ کے حصوں سے ہوتی ہے ۔ یعنی ۲۱٫۶۴
فیصد ۔ اس کے بعد نیشنل سلک اور کریم سلک کا نمبر آتا ہے (۱۷
روپے ۴۲ پیسے اور ۱۵ روپے ۷۵ پیسے) آرٹ سلک کی صنعت کو
نہ صرف سوات کے ارزاں ریشم کا مقابلہ کرنا پڑا بلکہ بھاری
چنگی بھی ادا کرنا پڑی ۔ تاہم ۱۹۷۲ء سے ایکسائز ڈیوٹی
میں کمی کر دی گئی ہے ۔

اونی پارچہ بافی کے کارخانے

اونی پارچہ بافی کے کارخانے صرف تین ہیں ۔ ہرنائی وولن ملز ، لارنس پور وولن اینڈ ٹیکسٹائل ملز ، ولیکا وولن ملز اور مون لائٹ ۔ ان پر مجموعی طور پر ۲ کروڑ ۳۷ لاکھ روپے کا سرمایہ لگا ہوا ہے ۔ ان کے ڈائرکٹروں میں اے ایم مزاری ، احمد داؤد اور سردار محمد لغاری یا اُن کے عزیز و اقارب شامل ہیں ۔ ان کمپنیوں میں سے ولیکا وولن ملز اور ہرنائی کے ادا شد سرمایہ سے منافع کا تناسب علی الترتیب ۹٫۷۶% اور ۱۵٫۷۷ تھا ۔ اُن کے دس دس روپے کا حصہ ۲۱٫۰۵۰ روپے اور ۱۵٫۰۰ روپے میں فروخت ہوتا رہا ہے ۔ لارنس پور وولن ملز کے ایک سو روپے کے حصے کی قیمت ۲۳۲ روپے رہی ہے ۔ حکومت نے چونکہ درآمدی پالیسی کے تحت باہر سے اُونی کپڑے کی درآمد پر پابندی لگا رکھی ہے اس لئے یہ تینوں ملیں (بونس واؤچر پر مشینری ، پرزے اور خام مال منگوانے کے باوجود) خوب نفع کماتی رہیں ۔ ۱۹۷۰ء میں اُنھوں نے اپنے گوشواروں میں منافع کا تناسب کم دکھایا ہے ۔

تیل صاف کرنے کے کارخانے

سوتی ریشمی اور اُونی پارچہ بافی کے بعد پاکستان نے جن صنعتوں پر سب سے زیادہ سرمایہ لگا رکھا ہے ، وہ تیل ، گیس ، بجلی اور انجینئرنگ اور تعمیرات کے کارخانے ہیں ۔

تیل ، گیس اور بجلی کے کارخانے ”فیول اینڈ پاور“ کے تحت آتے ہیں ۔ اُن کو جو کمپنیاں چلا رہی ہیں اُن کی تعداد سترہ ہے ۔

نوعیت	تعداد	ادا شدہ سرمایہ
بجلی کے کارخانے	۴	۷۶۶٫۳۰ لاکھ روپیہ
تیل صاف کرنے کے کارخانے	۴	۱۶۳۱ لاکھ روپیہ
تیل فروخت کرنے والے ادارے	۶	۱۱۴٫۰۵ لاکھ روپیہ
گیس	۳	۱۷۸۲٫۲۰۶ لاکھ روپیہ
	۱۷	۵۳۲۰٫۷۱ لاکھ روپیہ

گویا ملک میں ۱۷ کمپنیاں تیل اور گیس کا کاروبار کرتی ہیں جن کا مجموعی سرمایہ ۵۳ کروڑ سات لاکھ روپیہ ہے ۔

تیل صاف کرنے والے کارخانے چار ہیں :

اٹک آئل کمپنی ، پاکستان ریفائنری ، نیشنل ریفائنری ، ایسٹرن ریفائنری ۔

تیل فروخت کرنے والے ادارے چھ ہیں :

ایسو ۔ پاکستان برماشیل ۔ برما ایسٹرن ۔ پی این او ۔ داؤد پٹرولیم اور کالٹکس ۔ برما ایسٹرن کی نظامت میں عباس خلیلی ، رستم کاؤس جی ، حاجی حبیب ، گل محمد آدم جی شامل ہیں ۔ ہارون آئل ملز کے مالک بھی سعید اے ہارون ،

عباس خلیلی اور رستم کاؤس جی ہیں ۔ ایسٹ پاکستان لبری کنٹ
ابراہیم رحمۃاللہ بیگم اور ایف ایچ رحمۃاللہ چلا رہے ہیں ۔
پاکستان نیشنل آئلز پر رنگون والا ، بھوانی ، میاں نصیر اے
شیخ ، احمد داؤد اور محمد بشیر کا قبضہ ہے ۔ ان میں سب سے
زیادہ سرمایہ (اڑھائی کروڑ روپیہ) برما ایسٹرن میں لگا ہوا ہے ۔
ٹیکس ادا کرنے سے پہلے ادا شدہ سرمائے سے ان اداروں کے
منافع کا تناسب ملاحظہ ہو ۔

پاکستان نیشنل آئلز	۳ء۵۶
ایسٹ پاکستان لبری کنٹ	۵۷ء۳۶
برما ایسٹرن	۳۰ء۳۰
ہارون آئلز	۵۲ء۱۹
اٹک آئل	۶۲ء۵۲
نیشنل ریفائنری	۲۵ء۵۷
پاکستان ریفائنری	۱۷ء۵۸

ان میں سے بیشتر کارخانوں میں جو خام تیل صاف کیا
جاتا ہے وہ بیرونی ممالک سے آتا ہے اور ۱۹۷۱ء میں اس کی
مجموعی مالیت ۳۶ کروڑ روپیہ تھی ۔ پاکستان میں بھی تیل
کے چشمے دریافت کرنے کی کوشش جاری ہے اور اس غرض
کے لئے امریکہ ، جرمنی اور روس سے معاہدے ہو چکے
ہیں ۔ لیکن جب تک ملکی تیل معقول مقدار میں دستیاب نہیں

ہوتا اس وقت تک پاکستان غیر ممالک کا دست نگر رہے گا ۔
اور جن کمپنیوں کو تیل صاف و فروخت کرنے کے ٹھیکے دیئے
جا چکے ہیں ان کی پانچوں گھی میں رہیں گی ۔ ان کمپنیوں
میں داؤد اور ایسٹرن ریفائنری کے سوا کوئی کمپنی بھی گزشتہ
کئی سال سے منافع تقسیم نہیں کر رہی ۔ ایسٹرن ریفائنری
چونکہ مشرق بنگال میں واقع تھی اس لئے اب بند پڑی ہے
اور اس سے منافع کی امید ھی بے سود ہے ۔

پاکستان میں تیل صاف کرنے والی کمپنیاں چار ہیں ۔
اٹک آئل کمپنی ۔ ایسٹرن ریفائنری ۔ نیشنل ریفائنری اور
پاکستان ریفائنری ۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۱۶ کروڑ
۳۱ لاکھ روپیہ ہے ۔ اٹک آئل کمپنی پر تو اب بھی انگریز
(سر آرتھر جان ڈرگ وغیرہ) قابض ہیں ۔ ایسٹرن ریفائنری کو
عباس خلیل ۔ عزیزالحق ۔ حسن احمد ۔ رستم کاؤس جی اور
کے ایم منیر چلا رہے ہیں ۔ نیشنل ریفائنری کی نظامت میں
عبدالقادر ۔ میاں محمد بشیر ۔ حسین حبیب شامل ہیں ۔ پاکستان
ریفائنری امیر علی فینسی ۔ رستم کاؤس جی ۔ واحد آدم جی اور
انور فینسی کے قبضہ و اختیار میں ہے ۔

گیس فراہم کرنے کے ادارے

گیس کمپنیوں پر مجموعی سرمایہ ۱۷ کروڑ ۸۳ لاکھ
روپیہ لگا ہوا ہے جس میں سے صرف سوئی ناردرن کمپنی کا

سرمایہ دس کروڑ روپیہ ہے ۔ کراچی گیس کا سرمایہ ۲ کروڑ ۲۵ لاکھ اور سوئی گیس کا سرمایہ ۳ کروڑ ۸۷ لاکھ روپیہ ہے ۔ ان میں کراچی گیس کی نظامت میں اے ایم کے مزاری ۔ جمی فینسی ۔ امیر علی فینسی اور کاؤس جی شامل ہیں ۔ سوئی گیس ٹرانسمشن کمپنی پر بھی اے ایم کے مزاری ۔ امیر علی فینسی ۔ ذکریہ آدم جی اور آئی حبیب اللہ حاوی ہیں ۔ سوئی ناردرن گیس پائپ لائن اے ایم کے مزاری ، حامد داؤد حبیب ، احمد داؤد اور رفیق سہگل کے قبضے میں ہے ۔ ان کمپنیوں کے منافع کا تناسب یہ رہا ہے ۔

	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء
کراچی گیس	۸۶٫۰۲ فیصد	۵۲٫۳۸
سوئی ناردرن	۲۷٫۸۶ ،،	۲۳٫۶
سوئی گیس	۲۵٫۱۲ ،،	۵۸٫۸۵

بجلی تقسیم کرنے کے کارخانے

بجلی تقسیم کرنے والی کمپنیوں کی تعداد چار ہے ۔ ۱ ۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن ۔ ۲ ۔ ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی ۔ ۳ ۔ کوئٹہ الیکٹرک سپلائی کمپنی اور ۴ ۔ راولپنڈی الیکٹرک سپلائی کمپنی ۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۷ کروڑ ۶۶ لاکھ روپیہ ہے ۔ کراچی الیکٹرک کمپنی کی نظامت امیر علی فینسی ۔ احمد داؤد ۔ اے بی گزدر ۔ فخرالدین

ولی بھائی ۔ محمود ہارون ۔ یوسف چنوئی ۔ احمد جعفر اور حاتم علوی پر مشتمل ہے ۔ ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی نصیر اے شیخ ، فاروق احمد شیخ ، ہمایوں شیخ ، ریاض دولتانہ اور مغیث اے شیخ کے پاس ہے ۔ کوئٹہ الیکٹرک کمپنی ایف بی پٹیل ، مسز پٹیل ، مارکر سوزا اور مالک اللہ بخش کی تحویل میں ہے ۔ راولپنڈی الیکٹرک پاور کمپنی کے ڈائرکٹروں میں سردار برکت حیات ، خواجہ بشیر بخش اور محمد علی نون شامل ہیں ان کے منافع کا تناسب حسب ذیل ہے ۔

	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء
ملتان الیکٹرک	۶۲٫۲۸ فیصد	۳۳٫۱۹
کراچی الیکٹرک	۳۲٫۳۵ ،،	۷۰٫۰۷
راولپنڈی الیکٹرک	۲۴٫۱۴ ،،	۳۴٫۲۳

کوئٹہ الیکٹرک کمپنی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب سے واپڈا نے شیخ منڈا میں اپنا تھرمل سٹیشن قائم کیا ہے اسے خسارہ ہو رہا ہے ۔ بہرحال منافع کے لحاظ سے ملتان اور راولپنڈی الیکٹرک صف اول میں ہیں ۔

بجلی کے سامان ساز

الیکٹریکل انجینئرنگ کی پانچ کمپنیاں ہیں ۔ (۱) اٹلس بیٹری (۲) المیک (۳) جانسن اینڈ فلپس (پاکستان کیبلز (۵) شالیگان الیکٹرک ۔ ان میں سے پہلی کا اتحاد جاپان کی ایک

کمپنی سے ۔ دوسری کا ہالینڈ کی ایک کمپنی سے ۔ تیسری کا
برطانیہ کی ایک کمپنی سے ۔ چوتھی کا ایک برطانوی کمپنی
سے اور پانچویں کا ایک جاپانی کمپنی سے ہے ۔ باایں ہمہ ان کی
نظامت میں بعض پاکستانی بھی ہیں ۔ مثلاً یوسف چنائے ۔
میجر جنرل شاہد حمید ، خسرو ، طاہرہ حمید ، حسن حمید ،
میر احمد ، یار خان بلوچ ، ملک گل شیر خان نون ، ان میں
سے جانسن فلپس کے منافع کا تناسب ۵۸٫۸۳ ہے ۔

تعمیرات کے ادارے

تعمیرات کے لئے تین کمپنیاں ممتاز ہیں ۔ گیمن ایسٹ
پاکستان ۔ حیدری کنسٹرکشن اور گیمن پاکستان ۔ ان کا مجموعی
سرمایہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہے اور ان کے دس دس روپے کی
اوسط قیمت حسب ذیل ہے ۔

گیمن ایسٹ پاکستان	۱۳٫۸۳
حیدری	۱۱٫۱۰
گیمن پاکستان	۱۰٫۶۸

ان کمپنیوں کو ۱۹۷۰ء میں ۱۰ کروڑ ۲۵ لاکھ روپے
کی سالانہ آمدنی ہوئی اور صرف حیدری نے ادا شدہ سرمایہ سے
منافع کا تناسب ۳۷٫۵۸ فیصد دکھایا ہے ۔ باقی کمپنیوں کا
تناسب ایک فیصد بھی نہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعمیرات
کی لاگت کا اندازہ لگانے میں احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا ۔

گیمن کو ۱۹۶۳ء میں کافی نقصان ہوا تھا ۔ لیکن اب اس کے
چیئرمین کا بیان ہے کہ کمپنی کو سعودی عرب میں ڈھائی کروڑ
روپے کا ٹھیکہ مل گیا ہے اس لئے آئندہ کافی منافع کی امید ہے ۔
ان میں سے گیمن ایسٹ پاکستان جنرل حبیب اللہ ، حنیف
آدم جی ، یحیٰ بھوانی کی ہے اور گیمن پاکستان کو جنرل حبیب اللہ ،
عبدالواحد چوھدری ، غلام فاروق اور جے منی گیمن چلا رہے
ہیں ۔ حیدری کنسٹرکشن کی نظامت میں اسماعیل حبیب ،
حبیب آئی حاجی ، حبیب اللہ اور حبیب ممتاز ہیں ۔

موٹروں اور ٹرکوں کے کارخانے

انجینئرنگ کے ادارے تین حصوں پر تقسیم ہیں ۔ ۱ ۔
آٹو موبائل ۔ ۲ ۔ الیکٹریکل ۔ ۳ ۔ میکنیکل آٹو موبائل ۔ یعنی
موٹر ، ٹرک ، کاریں ، بسیں ، موٹر سائیکل ، ٹرائی سکل اور
ٹریکٹر بنانے والی کمپنیوں کی تعداد پانچ ہے ۔ ۱ ۔ گندھارا ۔
۲ ۔ اٹلس آٹو ۔ ۳ ۔ رانا ٹریکٹر ۔ ۴ ۔ اٹلس ایسٹ پاکستان ۔
۵ ۔ میک ٹرک ۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۳ کروڑ
۳۶ لاکھ روپیہ ہے ۔ ان میں سے گندھارا جنرل حبیب اللہ ،
یوسف شیرازی اور گوہر ایوب کی ہے (کیپٹن گوہر ایوب نے
اعلان کیا تھا کہ انہوں نے اپنے حصص فروخت کر دیئے ہیں ۔
لیکن کس کے ہاتھ ؟ خٹک فیملی کے پاس یا باہر ؟ یہ ابھی
تک معلوم نہیں ہوسکا) اٹلس آٹو پر جنرل حبیب اللہ ، ذاکر

شیرازی اور یوسف شیرازی قابض ہیں ۔ رانا ٹریکٹر پر رانا خاندان حاوی ہے ۔ یعنی خدا داد اور رانا اللہ داد ، نعیم رانا ۔ میک ٹرک کی نظامت کے ، ایم منیر ذکریا ، آدم جی ، سلیمان محمد علی حبیب وغیرہ کر رہے ہیں ۔ ان میں حصص کے لحاظ سے گندھارا کی قیمت سب سے زیادہ ہے یعنی دس روپے کا حصہ ۲۴ روپے ۳۵ پیسے میں فروخت ہوتا رہا ہے ۔ اس کے بعد اٹلس اور رانا کا نمبر ہے ۔ ادا شدہ سرمایہ سے منافع کا تناسب ملاحظہ ہو ۔

	۱۹۶۸ء	۱۹۶۹ء
رانا ٹریکٹر	۷۳ء۹۵ فیصد	۱۳ء۷۵
گندھارا	۵۳ء۹۵ ،،	۲۶ء۵۳
اٹلس	۳۶ء۱۶ ،،	۲۳ء۳۰
اٹلس ایسٹ پاکستان	۲۲ء۷ ،،	۱۳ء۷۲

جب سے امریکہ کی کمپنی میک ٹرکس نے قطع تعلق کیا ہے ۔ پاکستان کے میک ٹرک کو خسارے کا سامنا ہے اور اس کا کارخانہ عرصے تک بند پڑا رہا ۔ اس نے جاپان کی ایک فرم سے مل کر چھوٹی کاریں تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اجازت نہ مل سکی ۔

مکینیکل انجینئرنگ

مکینیکل انجینئرنگ کمپنیوں میں بٹالہ ، بنگال سٹیل

ورکس، گلفرا حبیب، سٹیل کارپوریشن، ٹیکس وڈ، آل وین، سکوپ، آر سی ڈی پالی ، نیشنل آئرن ، اور جی آئی ایس امتیازی حیثیت رکھتی ہیں ۔ بٹالہ انجینئرنگ کے مالک و مختار سی۔ایم لطیف ، وائس ایڈمرل چوہدری اور عارف لطیف ہیں ۔ سٹیل کارپوریشن پر امیر علی فینسی ، جمی فینسی ، نور علی فینسی ، بہادر علی فینسی اور اے ۔ کے سومار قابض ہیں ۔ ٹیکس وڈ کی نظامت میں افضل خان ۔ کوچین والا ، محمد اسلم خان اور ظہیرالدین وغیرہ کے نام نظر آتے ہیں ۔ گلفرا حبیب ظاہر ہے کہ حبیب فیملی کی ہے ۔ یہ فیکٹریاں مشین ٹولز ۔ الیکٹرک موٹرز ۔ فولادی ڈھانچے ۔ سینٹری فیوگل پمپ اور بائیسکل وغیرہ تیار کرتی ہیں ۔

الیکٹریکل اور مکینیکل کمپنیوں کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۸ کروڑ ۹۴ لاکھ روپیہ ہے ۔ بٹالہ اور بنگال سٹیل ورکس نے اپنا سرمایہ بڑھانے کے لئے استحقاق اور بونس حصص کا اعلان کیا تھا ۔ ان میں بٹالہ انجینئرنگ کے حصہ کی قیمت سب سے زیادہ ہے یعنی پچاس روپے کا حصہ ایک سو پچاس روپیہ میں فروخت ہوتا رہا ہے اور اب دس روپے کا حصہ ۱۹ء۹۷ روپے میں بک رہا ہے ۔ ادا شدہ سرمایہ سے منافع کا تناسب بھی بٹالہ کا سب سے زیادہ (یعنی ۴۳ء۴۶ فیصد) ہے ۔ اس کے بعد بنگال سٹیل کا نمبر آتا ہے ۔ جس کے منافع کا تناسب ۲۷ء۱۱

فیصد ہے ۔ سکوپ اور آل وین کے منافع کا تناسب علی الترتیب ۲۶٫۵۴ اور ۲۶٫۸۱ ہے ۔

سمندری اور ہوائی جہاز

حمل و نقل اور رسل و رسائل کی کمپنیوں میں چٹاگانگ سٹیم شپ ، گلف شپنگ ، مہدی سٹیم شپ ، نیشنل شپنگ کارپوریشن ، پاک بے کمپنی ، پاک اسلامک سٹیم شپ کمپنی ۔ پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز ، کراچی روڈ ٹرانسپورٹ ، پاکستان ویور سٹیمرز ممتاز ہیں ۔ ان پر مجموعی طور پر ۲۷ کروڑ ۹۲ لاکھ روپیہ سرمایہ لگا ہوا ہے ۔ ان میں سے چٹاگانگ سٹیم شپ کمپنی محمد حنیف ۔ آدم جی۔اے احد ۔ ڈنشا ۔ آفتاب علی اور کنڈا والا کے قبضہ و اختیار میں ہے ۔ مہدی سٹیم شپ ، عمر دین ، ولی بھائی ، عبدالرحمان حاجی حبیب ، احمد حاجی حبیب نور دین ، ولی بھائی ، رستم کاؤس جی ، عبدالغنی ، حاجی حبیب نجم الدین ، ولی بھائی اور سیف الدین ولی بھائی کی ہے ۔ پان اسلامک سٹیم شپ کمپنی کی نظامت میں فخرالدین تلی والا ، جعفر حاجی باقر ، عبداللطیف ، آل محمد موسیٰ ، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد ، اے ڈی احمد ، عزیز احمد عرب اور ظفر حمید اسماعیل شریک ہیں ۔ جہاں تک ادا شدہ سرمائے کا تعلق ہے ۔ پی آئی۔اے سب سے بڑی کمپنی ہے لیکن اگر ہر کمپنی کا حصہ دس روپے خیال کیا جائے اس کی ''حاصل قیمت'' حسب

ذیل ہے ۔

	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء
مہدی	۲۴٫۹۳ فیصد	۱۳٫۰۵
پاک بے	۱۷٫۱۰ ،،	۲۱٫۷۳
پان اسلامک	۱۵٫۵۴ ،،	۱۲٫۸۲
نیشنل شپنگ	۱۵٫۴۶ ،،	۱۵٫۳۸
پی۔آئی۔اے	۱۴٫۳۹ ،،	۱۵٫۱۵

ان کمپنیوں کے سرمایہ و منافع کا تناسب حسب ذیل ہے ۔

نیشنل شپنگ	۳۵٫۹۶
پان اسلامک	۱۸٫۶۰
پی۔آئی۔اے	۲۳٫۱۶
پاک بے	۴۲٫۷۱
مہدی	۲۰٫۳۰

ظاہر ہے کہ منافع کے لحاظ سے نیشنل شپنگ سرفہرست ہے لیکن حصص پر بونس کی شرح سب سے زیادہ پاک بے اور پان اسلامک کی ہے ۔ نیشنل شپنگ اپنے تجارتی بیڑے میں اضافہ کر رہا ہے ۔ اس لئے آئندہ خاصے منافع کی امید ہے ۔ پی۔آئی۔اے کو مشرقی پاکستان کا راستہ بند ہونے سے خسارہ ہوا ۔ لیکن اب اس نے اچھے بوئنگ طیارے ٹھیکہ پر دے دیئے ہیں ۔

پٹ سن کے کارخانے

سوتی پارچہ بافی کی طرح پٹ سن کی صنعت کا آغاز بھی
حصول آزادی کے بعد ہوا ۔ مشرقی پاکستان میں سب سے پہلی
جوٹ مل ۱۹۵۱ء میں قائم ہوئی ۔ اس وقت پٹ سن کی صنعت
کو پاکستان کی دوسری سب سے بڑی صنعت کا درجہ حاصل ہے ۔
اس میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب مزدور کام کرتے ہیں اور اس کی
مصنوعات سے ملک کو ہر سال ۷۹-۸۰ کروڑ روپے کے
زرمبادلہ کی آمدنی ہوتی ہے ۔ دسمبر ۱۹۷۰ء تک ملوں کی
تعداد ۵۲ ہوگئی ۔ ان میں سے چار کارخانے مغربی پاکستان
میں ہیں ۔

پٹ سن کے یہ کارخانے جن کاروباری اداروں نے سنبھال
رکھے ہیں ان میں سے ۲۴ کے نام سٹاک ایکسچینج کی
منظور شدہ فہرست پر ہیں ۔ ان کا مجموعی سرمایہ ۳۹ کروڑ
۱۴ لاکھ روپیہ ہے ۔ کمپنیوں کے نام یہ ہیں ۔ آدم جی ۔
امین ۔ فیبرکس ۔ امین ۔ باوا ۔ کارپٹنگ ۔ چاند پور ۔
چٹاگانگ ۔ کریسنٹ ۔ غوائیہ ۔ گل احمد ۔ حافظ ۔ انڈس ۔
جیسور ۔ کریم ۔ لطیف بھوانی ۔ میگھنا ۔ ایم ایم جوٹ ۔ منور ۔
پاک جوٹ ۔ پلاٹینم ۔ آر ۔ آر جوٹ ۔ تھل ۔ یونائیٹڈ ۔ وکٹری ۔

آدم جی جوٹ ملز کی ڈائرکٹوریٹ میں عبدالواحد
آدم جی ، زکریا آدم جی ، حبیب رحمت اللہ ، عبدالقاسم خان ،

گل محمد آدم جی اور سید واجد علی شاہ شامل ہیں ۔ امین جوٹ
میں عبدالقادر ۔ نصیر اے شیخ ۔ سلطان ماؤ ماؤ جی اے ستار
ہیں ۔ باوا جوٹ ملز اشرف باوا ۔ کریم کراودیا ۔ اسماعیل وادیا
اور احمد باوا کی ہے ۔ کارپٹنگ جوٹ ملز میں ملانی
اے ۔ آر چوھدری ۔ عبدالحمید حسن ۔ امین محمد ملانی شامل
ہیں ۔ چٹاگانگ جوٹ ملز کی نظامت میں مرزا مہدی ، اصفہانی
اور مرزا محمد علی اصفہانی امتیازی درجہ رکھتے ہیں ۔ کریسنٹ
جوٹ ملز میں اے ایم کے مزاری ۔ رنگون والا اور میاں
بشیر محمد ہیں ۔ کریم جوٹ ملز عبدالغنی احمد ۔ عبدالعزیز ۔
عبدالستار ۔ اے ایس حفیظ رضائی کریم ۔ عزیزالحق اور یوسف
سلیمان چلا رہے ہیں ۔ لطیف بھوانی جوٹ ملز پر عبدالمجید
احمد بھوانی اور اے زیڈ احمد کریم کا قبضہ ہے ۔ پاک جوٹ ملز
عبدالرزاق ۔ عبدالخالق اور عبدالجلیل کی ہے ۔ پاک جوٹ ملز
کے ڈائرکٹر ایچ ایم حسن ، محمد انورالحسن اور نورالحسن
ہیں ۔ پلاٹینم جوبلی جوٹ ملز کو شفیع الاعظم ، محفوظ الحسین
اور ٹی مہدی کنٹرول کرتے ہیں ۔ تھل جوٹ ملز کو
محمد فاروق ، مہدی اصفہانی ، حنیف آدم جی ، زاہد فاروق ،
حسین حبیب اور بشیر حبیب وغیرہ چلا رہے ہیں ۔ وکٹری
جوٹ ملز میں مہدی اصفہانی اور محمد علی کا نام دکھائی دیتا
ہے ۔ یونائیٹڈ جوٹ ملز میں مولا بخش وغیرہ ہیں ۔

ان ملوں سے بعض کی شرح منافع و سرمایہ ملاحظہ ہو۔

	١٩٦٩ء	١٩٧٠ء
پاک جوٹ ملز	٢٩٫٠٨	٢٨٫٦٣
امین جوٹ ملز	٣٦٫٤٥	٢٠٫٦٦
یونائیٹڈ جوٹ ملز	٢٣٫٥٠	٩٫٩٦
پلیٹنم	٢٥٫٩٨	١٥٫٦٥
باوا جوٹ	١٦٫٤٣	١٥٫١٦
کارپٹنگ	٤٩٫٩٢	٣٥٫٥٥
آدم جی	٣١٫١٦	٢٩٫٨٠
چٹاگانگ	٣٣٫٢٨	٤٣٫٩٧

ادویہ ساز کارخانے

ادویہ سازی کا کاروبار زیادہ تر چار بڑی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ کیمفر۔ فیروز سنز۔ گلیکسو اور سنڈوز۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ٦ کروڑ ٢٣ لاکھ روپے ہے۔ کیمفر اور سنڈوز ابھی کاروبار کے ابتدائی زینے پر ہیں۔ تاہم کیمفر پچاس ٹن سلفا ڈرگ تیار کرتی ہے۔ گلیکسو ایک انگریزی فرم ہے لیکن اس کی نظامت میں مرزا رضا اور یوسف چنائی بھی شامل ہیں۔ فیروز سنز کی ڈائرکٹوریٹ سردار عبدالرشید، عبدالحمید خان، محمد امین، عزیز احمد، داؤد۔ کرنل آفریدی اور میاں گل صابر پر مشتمل ہے۔ سنڈوز میں نواب مظفر علی

قزلباش اور خان میر افضل ممتاز ہیں۔ ان میں سے فیروز سنز اور گلیکسو کی فروخت میں ١٩٧١ء تک علی الترتیب ٢٨ اور ١٤ فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔ تاہم ٹیکس ادا کرنے سے قبل ان کے منافع و فروخت کی شرح گر گئی ہے۔ لیکن فیروز سنز کے منافع و سرمایہ کی شرح ٢٠٫٩١ فیصد اور گلیکسو کی ٣٤٫١١ فیصد ہے۔ فیروز سنز نے ١٩٧١ء میں صرف دس فیصد منافع تقسیم کیا۔ حالانکہ ١٩٧٠ء میں انہوں نے ساڑھے بارہ فیصد منافع اور پندرہ فیصد بونس تقسیم کیا تھا۔ ١٩٦٨ء کے بعد اس کمپنی نے اپنا کاروبار بہت وسیع کر لیا ہے۔ اس کے فرنٹیر انڈسٹریز نوشہرہ میں حصص ہیں۔ یہ کمپنی چمڑے کی دباغت اور رنگائی کا کام کرتی ہے۔ اسی طرح فیروز سنز نے سرگودھا آئل اینڈ فلور ملز میں بھی حصے ڈال رکھے ہیں۔ گلیکسو کی شرح منافع منقسمہ بھی ساڑھے سات فیصد رہ گئی۔ سنڈوز نے خسارے کے باوجود ١٩٧١ء میں ٦ فیصد نقد منافع تقسیم کیا۔

کیمیا ساز ادارے

کیمیاوی سامان تیار کرنے والی کمپنیوں کے نام یہ ہیں۔ آرو کے کیمیکلز، کیمیکل انڈسٹریز، کیمیکلز لمیٹڈ، ایسٹرن کیمیکل، ایسو پاک فرٹیلائزر پاکستان، آئی سی آئی پاکستان، انڈس کیمیکل، پاکستان انڈسٹریل گیسز، پاکستان

آکسیجن ، ولیکا کیمیکلز ، داؤد ھرکولیز ان گیارہ کمپنیوں کا
مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۳۲ کروڑ ۹ ، ۷ لاکھ روپیہ ہے ۔ لیکن
ان میں سے پانچ کمپنیوں کا کام تسلی بخش خیال کیا جاتا ہے ۔
باقی خسارے میں جا رہی ہیں ۔ سب سے زیادہ نفع پاک ایجنسی
کماتی ہے ۔ جس کے سرمایہ و منافع کا تناسب ۳۸٫۸۴ ہے ۔
دوسرے نمبر پر پاک انڈسٹریل گیسز ہے ۔ پاک آکسیجن کی
نظامت حبیب رحمت اللہ اور مرزا رضا کے ہاتھ میں ہے ۔ اروکے
پر ریاض شفیع ، میاں محمد بشیر ، عبدالجلیل ، مسز احمد ،
خالد شفیع ، احمد سعید اور رنگون والا حاوی ہیں ۔ کیمیکل
انڈسٹریز کی نظامت میں میاں محمد یحیٰی ۔ میاں عبدالعزیز ۔
میاں محمد حنیف ۔ میاں محمد ایوب ۔ میاں آفتاب اقبال شامل ہیں ۔
ولیکا کیمیکلز حبیب ابراہیم رحمت اللہ ۔ رنگون والا ۔ عبدالغنی
حاجی حبیب ، ولی بھائی اور نواب زادہ عبدالغفور خاں آف ہوتی
چلا رہے ہیں ۔ انڈس کیمیکلز کے ڈائرکٹر سردار بہادر خاں
ظفر الا حسن ، محمد نعیم اور تاج محمد خاں وغیرہ ہیں ۔
آئی۔سی۔آئی پاکستان میں وائی ۔ ایم خاں ۔ وائی ۔ این چنوئی
ہیں ۔ یہ کارخانے زیادہ تر سوڈا ایش ، کاسٹک سوڈا ، گندھک
کا تیزاب اور کیمیاوی کھاد تیار کرتے ہیں ۔

ان میں داؤد ھرکولیس نے اپنا کام شروع کر دیا ہے ۔
حبی سنز اور جعفر برادرز بھی ۱۹۷۳ء یا ۱۹۷۴ء تک اپنے

کارخانے لگا لیں گے ۔

قند سازی کے کارخانے

چینی اور ملحقہ صنعتوں کی مالک ۱۸ فرمیں ہیں ۔
جن کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۹ ۲ کروڑ ۲۶ لاکھ روپیہ ہے ۔ ان
میں سے بعض کی نظامت ملاحظہ فرمائیے :

آدم جی شوگر ملز : زکریا آدم جی ، عبدالحمید آدم جی ، حبیب رحمۃ اللہ ، حسین ابراہیم ، عبدالواحد آدم جی ، دادا بھائی ۔

بھوانی شوگر ملز : اے ایم کے مزاری ، رنگون والا ، قاسم دادا ، عبدالواحد بھوانی ۔

چارسدہ شوگر ملز : اے ایم کے مزاری ، نواب زادہ محمد خالد خان ، نواب زادہ عبدالغفور آف ہوتی ، محمد امیر خان ۔

کریسنٹ شوگر ملز : میاں محمد بشیر ، میاں محمد امین ، میاں بخش الٰہی ۔

فرنٹیئر شوگر ملز : تاج محمد خان زادہ ، فدا محمد ، میر اکبر خان ، اسد خاں ۔

حبیب شوگر ملز : عبدالحمید آدم جی ، اسماعیل احمد ، حاجی حسین ، حاجی داؤد ، حبیب حاجی ۔

حنی سنز شوگر ملز : کے ایم بشیر ، سلیمان محمد علی حبیب ، کے ایم رفیع ، زکریا آدم جی -

میر پور خاص شوگر ملز : محمد فاروق ، میاں محمد بشیر ، میر محفوظ احمد داؤد ، امیر علی فینسی ، زکریا آدم جی ، حسین حبیب -

مری بریوری : بھنڈارہ ، جاڑیوالہ -

نون شوگر ملز : ملک فیروز خان نون ، ملک نور حیات خان نون -

پریمیئر شوگر ملز : میاں گل جہاں زیب ، میر افضل محمد یوسف خٹک ، کرنل شریف -

تھل انڈسٹریز : ملک عبدالطیف ، سردار غلام فرید خان ، محمد یوسف -

ان میں سے صرف سات کمپنیوں کی شرح منافع (سرمایہ کے تناسب سے) یہ ہے - حنی سنز ۴۵٫۹۸ - تھل ۲۸٫۹۹ - بھوانی ۳۳٫۵۸ - مری بریوری ۵۳٫۰۴ - کریسنٹ ۲۵٫۱۰ - حبیب ۲۶٫۵۷ - حسین ۴۲٫۸۰ -

آمدنی کے لحاظ سے بعض کمپنیوں کے دس دس روپے کے حصص کی قیمت ملاحظہ فرمائیے -

	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء
پریمیئر	۱۶٫۰۳	—
حنی سنز	۱۸٫۸۰	۱۸٫۷۴

مری	۱۷٫۳۷	
تھل	۱۳٫۴۸	
بھوانی	۱۸٫۵۲	
فرنٹیئر	۱۴٫ ۷	
حسین	۱۲٫۷۵	
چارسدہ	۱۵۷٫۲۰	(فی حصہ یکصد روپیہ)

۱۹۷۱ء میں اٹھارہ میں سے تیرہ کمپنیوں نے منافع تقسیم کیا - سب سے زیادہ منقسم منافع پریمیئر (۲۵ فیصد) نے دکھایا ویسے شاید ہی کوئی کمپنی ہو جسے فروخت پر پچاس سے سو فیصد تک منافع نہ ہوتا ہو - ۱۹۷۱ء میں بھوانی ، شاہتاج اور حبیب کی فروخت میں ۱۰۰ فیصد سے ۱۱۰ فیصد تک اضافہ ہوا - اسی طرح نون، حسین ، حنی سنز ، آدم جی اور پریمیئر کی فروخت ۴۷ سے ۷۲ فیصد تک بڑھی - لیکن ان کمپنیوں کا کہنا ہے کہ لاگت اور محاصل میں اضافہ کے باعث ان کا منافع ''برائے نام'' رہ گیا ہے - ان ملوں کو ٹیکس سے چھٹکارا ملا ہوا تھا - تاہم گیارہ ملوں کی یہ رعایت ۱۹۷۰ء میں ختم ہوگئی - اب صرف پانچ ملیں ایسی ہیں جن کو ٹیکس سے چھٹی ہے -

قند سازی کے کارخانے منافع خوری کے لئے خاص طور پر بدنام ہیں - جہاں بیرونی ممالک میں چینی کا بھاؤ آٹھ آنے

فی سیر ہے ۔ پاکستان میں وہ اڑھائی تین روپے سے کم پر
دستیاب نہیں ہوتی اور اکثر اوقات نایاب ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ
ملک کو ہر سال باہر سے منگوانا پڑتی ہے اس کے باوجود
ملوں کا اصرار رہتا ہے کہ ان کو ''فولتو چینی'' برآمد کرنے
کی اجازت دی جائے ۔ ظاہر ہے مقصد ۴۵ فیصد ''بونس'' اور
سترہ روپے امدادی رقم سے ہاتھ رنگنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔
ورنہ بورڈ آف اکونامک انکوائری ثابت کر چکا ہے کہ پاکستان
کو چینی کی برآمد سے ایک ڈالر کمانے کے لئے کم از کم
۲۲ روپیہ خرچ کرنا پڑتے ہیں ۔ پاکستان نے یہ صنعت
غیر ممالک سے کروڑوں روپے کے قرض لے کر قائم کر رکھی
ہے ۔ اس طرح سارا بوجھ عوام پر پڑ رہا ہے ۔

کاغذ اور گتہ سازی

پاکستان میں کاغذ اور گتہ سازی کے کارخانے چلانے
کے لئے آٹھ کمپنیوں کے نام بازار حصص کی فہرست میں درج
ہیں ۔ الائیڈ ، چٹاگانگ ، کرنا فلی ، اورینٹ سٹرا بورڈ ،
پیکیجز ، پاکستان پیپر پراڈکٹس ، پاک پیپر کارپوریشن ،
سیکورٹی پیپر ۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۱۶ کروڑ ۲۳ لاکھ
۱۶۰۲۳ روپیہ ہے ۔ بعض کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کے نام درج
ذیل ہیں ۔

چٹاگانگ بورڈ : لطیف فینسی ، قیوم غنی ، ایم-آر

صدیقی ، ایم-آر چوھدری وغیرہ ۔

کرنا فلی پیپر ملز : احمد داؤد ، صدیق داؤد ، فاروق داؤد ، سلیمان داؤد ، آدم جی ۔

اورینٹ سٹرا بورڈ : محمد عبداللہ ، اسماعیل عبداللہ ، عبدالمجید عبداللہ ، یوسف عبداللہ ، عبدالغفار عبداللہ ۔

پیکیجز : سید واجد علی شاہ ، سید بابر علی ، سید اسد علی ، خان میر افضل خان۔

پاکستان پیپر پراڈکٹس : ایم رنگون والا ، محمد علی سید ، ہاشم سید وغیرہ ۔

تیسرے منصوبے میں چھپائی اور لکھائی کے کاغذ کی
پیداوار کا ہدف ایک لاکھ ٹن اور چوتھے منصوبے میں
دو لاکھ ٹن مقرر کیا گیا تھا ۔ تاہم ۱۹۷۱ء تک چھپائی اور
لکھائی کے کاغذ کی پیداوار ساٹھ ہزار ٹن سے آگے نہیں بڑھ سکی ۔
نیوز پرنٹ کے کارخانے مشرقی پاکستان میں رہ گئے ۔
اس لئے اب مغربی پاکستان میں نیا کارخانہ لگانے کے منصوبے
پر عمل ہو رہا ہے ۔

کاغذ سازی سے ملوں کو جو منافع ہوتا رہا ہے اس کا
اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے ۔

ٹیکس ادا کرنے سے قبل

	فروخت سے منافع کی شرح	سرمایہ سے منافع کی شرح
کرنا فلی	۶٫۳۵	۱۱٫۸۸
پیکیجز	۱۵٫۶۲	۳۳٫۹۷
پاکستان پیپر	۸٫۹۳	۲۲٫۳۳
سکیورٹی	۹٫۵۳	۷٫۲۱

ان میں سے سکیورٹی پیپر لمیٹڈ آر-سی-ڈی کی پراجیکٹ ہے اور کرنسی اور بنک پیپر تیار کرتی ہے ۔ الائیڈ پیپر نے جنوری ۱۹۷۰ء سے کام شروع کر دیا ہے ۔ پاکستان پیپر کارپوریشن لمیٹڈ چارسدہ میں ہے اور روزانہ ۹۰ ٹن پلپ اور ایک سو ٹن کاغذ تیار کرتی ہے ۔ پاکستان پیپر پراڈکٹس نے شیخوپورہ میں کارخانہ قائم کیا ہے اور ریپنگ پیپر بناتی ہے ۔

بناسپتی گھی کے کارخانے

بناسپتی گھی اور متعلقہ مصنوعات کے لئے گیارہ فرمیں ہیں ۔ ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز ، برما آئل ملز ، فضلی ، کریس کاکا خیل ، مقبول کمپنی ، مرافکو ، سرگروہ آئل انڈسٹریز ، سورج ، یونیورسل ، وزیر علی انڈسٹریز ۔ ان میں سے ایسوسی ایٹڈ پر رنگون والا ، صدیق داؤد ، میاں محمد بشیر ، سلطان ماؤجی ، گل محمد ، محمد حنیف اور لطیف ابراہیم جمال کا قبضہ ہے ۔ برما

آئل ملز میں رنگون والا ، مسز بانو رنگون والا ، گل محمد ، داؤد جی ، دادا بھائی ، سلطان ماؤ جی ، حاجی حبیب حاجی محمد ، میاں محمد بشیر ، محمد صدیق داؤد اور محمد صدیق حاجی ابا ڈائرکٹر ہیں ۔ مرافکو انڈسٹریز ، میاں محمد رفیق سہگل ، میاں قیصر احمد منو ، میاں رفیع منو اور میاں محمد حنیف منو ، میاں صادق منو اور خالد سہگل کی ہے ۔ مقبول کمپنی کے ڈائرکٹر شیخ مقصود اور انیس ہاشمی ہیں ۔ وزیر علی انڈسٹریز پر سید واجد علی شاہ ، سید بابر علی ، سید امتیاز مہدی اور سید اختر احسن وغیرہ کا قبضہ ہے ۔ ان کمپنیوں کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ پانچ کروڑ ۷ لاکھ روپیہ ہے ۔ سرمائے کے تناسب سے بعض کمپنیوں کی شرح منافع ملاحظہ ہو ۔

ایسوسی ایٹڈ	۴۴٫۱۸
برما آئل	۲۳٫۳۰
وزیر علی	۳۵٫۴۴

فروخت کے لحاظ سے مرافکو ، ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز ، وزیر علی اور برما آئل بے حد کامیاب ہیں ۔ ۱۹۷۱ء میں ان کی بکری میں علی الترتیب ۱۲۱ ، ۲۰ ، ۲۷ اور ۱۷ فیصد اضافہ ہوا ۔

بناسپتی گھی کی صنعت کا انحصار درآمدی مواد پر ہے ۔ لیکن ملک میں بھی روغنی بیجوں کی پیداوار برابر بڑھ رہی ہے ۔

حصص میں سب سے زیادہ قیمت ولیکا کی (۱۹۰۱۴ روپے) اور اس کے بعد اسماعیل کی (۱۴۰۵۷ روپے) ہے۔ اب نظامت ملاحظہ فرمایئے :

ایس بسٹاس : قاسم دادا علی محمد دادا ، عبدالطالب دادا ، عبدالرزاق دادا ، محمد رفیق سہگل ، داؤد جی ، دادا بھائی ، یوسف دادا ، ابو طالب دادا ۔

اسماعیل : نصیر اے شیخ ، مغیث اے شیخ، ریاض دولتانہ، بشیر احمد ھمایوں شیخ ، فاروق احمد شیخ ، اقبال احمد شیخ ۔

پاکستان : اسلم عزیز شیخ ، خواجہ ودود ، مسز ثریا فاروق ۔

ولیکا : سیف الدین ولی بھائی ، قمرالدین ، فخرالدین ، علی محمد دادا ، نجم الدین ولی بھائی ، نورالدین ولی بھائی ، ولی بھائی نجم الدین ۔

زیل پاک : اے ایم کے مزاری ، ایس ایم نسیم ، فخرالدین ولی بھائی ، سید واجد علی شاہ ، امیر علی فینسی ۔

تمباکو کے کارخانے

تمباکو تیار کرنے والی سات کمپنیاں ھیں جن کے نام یہ ھیں ۔ ایلفا ، لکسن ، پاکستان ، پیلز ، پریمیئر سووی تر تمباکو کمپنی ۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۱۴ کروڑ ۱۶ لاکھ روپیہ ہے ۔ ڈائرکٹر ملاحظہ کیجئے ۔

بنولہ کے علاوہ یہ بھی کوشش کی جا رھی ہے کہ سورج مکھی کے پھول اور سویا بین کی پھلیوں کی کاشت وسیع پیمانے پر کی جائے۔ اسی طرح مکئی کے دانوں سے بھی تیل نکالنے کے لئے کارخانہ قائم کیا جا رہا ہے ۔

۱۹۷۰ء میں جن نئے اداروں نے یہ کاروبار شروع کیا اُن میں یونیورسل ، شیخ فضل الرحمان ، سرگروہ ، کاکا خیل اور گریس قابل ذکر ھیں ان کو ٹیکس سے چھٹی بھی مل گئی ہے ۔

سیمنٹ کے کارخانے

ملک میں سیمنٹ کے کارخانے چلانے والی پانچ بڑی کمپنیاں ھیں ۔ ایس بسٹاس ، اسماعیل سیمنٹ انڈسٹریز ، پاکستان سیمنٹ انڈسٹریز ، ولیکا سیمنٹ ، زیل پاک سیمنٹ فیکٹری ، ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۱۳ کروڑ ۴۶ لاکھ روپیہ ہے ۔ سرمائے کے تناسب سے منافع کی شرح یہ ہے ۔

	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء
ولیکا	۳۵٫۵۵	۱۴٫۶۹
زیل پاک	۱۵٫۹۸	۱۰٫۹۴
اسماعیل	۲۹٫۲۶	۳٫۱۷
پاکستان	۲۱٫۳۶	۳۷٫۹۱
ایس بسٹاس	۱۷٫۶۱	۱۷٫۱۲

پاکستان : اشاعت حبیب‌اللہ ، خواجہ ظفر حسن رشید داؤد حبیب ۔

پیپلز پریمیئر : محمد نعمان ، یحییٰ احمد بھوانی ، ایس اے صمد ، منوچہر ڈنشا ، حاجی محمد فتح ۔

سووی نر : حسین بھائی ، کڑا بھائی ، بدرالدین ، کڑا بھائی ، حسن بھائی ، کڑا بھائی ، صدر دین لکھانی ۔

ٹیکس ادا کرنے سے پہلے ان کمپنیوں کے ادا شدہ سرمائے سے منافع کا تناسب یہ ہے :

خیبر	۸٦ء۴۹
پاکستان تمباکو	۳۰ء۸۰
پریمیئر	۵۱ء۲۴
سووی نر	۲۰ء۴٦

یہ تمام کمپنیاں فائدہ میں جا رہی ہیں ۱۹۷۱ء میں پاکستان تمباکو کی آمدنی میں دس فیصد ، پریمیئر کی آمدنی میں ۳۲ فیصد ، خیبر کی آمدنی میں ۲۴ فیصد اور سووی نر کی آمدنی میں دس فیصد اضافہ ہوا ۔ تاہم ان کے بالمقطع منافع کی شرح گر گئی ۔ اس کے باوجود ان کمپنیوں کے دس دس روپے کا حصہ ڈیوڑھی سے بھی زائد قیمت پر فروخت ہو رہا ہے ۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء میں ان کے حصص کی آمدنی کا تجزیہ حسب ذیل ہے ۔

	پیسے روپے
پریمیئر	۱۸-۸۳
سووی نر	۱۷-۹۵
پاکستان تمباکو	۱٦-۷۱
خیبر	۱٦-۵۵
ایلفا	۱۱-۱۰

یہ کمپنیاں زیادہ تر سگرٹ تیار کرتی ہیں جن کی پیداوار کا ہدف تیسرے منصوبہ میں چالیس ارب بائیس کروڑ تھا ۔ اور خیال ہے کہ چوتھے منصوبہ کے تحت پاکستان میں اسی (۸۰) ارب سگرٹ تیار ہونے لگیں گے ۔ ان کمپنیوں کی مصنوعات پر جو ایکسائز ڈیوٹی لگائی جاتی ہے اس سے حکومت کو ساٹھ کروڑ روپے سالانہ کی آمدنی ہے ۔ لکسن تمباکو کمپنی نے جون ۱۹۷۱ء سے کام شروع کیا ہے ۔ اس کا ابتدائی سرمایہ ۴۴ لاکھ روپیہ ہے ۔ یہ کمپنی برآمدی تجارت میں حصہ لے رہی ہے ۔

متفرق مصنوعات

بازار حصص کی فہرست میں جو فرمیں "متفرق" کے تحت درج ہیں وہ در اصل مختلف کاروبار کر رہی ہیں ۔ مثلاً کولڈ سٹوریج ، ہوٹل ، چائے ، ظروف سازی ، درآمدی و برآمدی تجارت ۔ پیچیدہ نوعیت کی مصنوعات ۔ ان کی تعداد ۳۴ ہے

بحیثیت مجموعی ان کے ادا شدہ سرمائے کا اندازہ ۲۸ کروڑ ۱۴ لاکھ روپیہ ہے ۔ ان میں سے بعض ڈائرکٹروں کی فہرست درج ذیل ہے :

آدم جی انڈسٹریز : زکریا آدم جی ، عبدالکریم کراوادیا ، عبدالغنی ، حاجی حبیب ، قاسم داد ۔

بروک بانڈ : حبیب رحمۃاللہ ، ایم ظفر قاسم داد ۔

کولڈ سٹوریج (اپیکو) : عبدالجلیل ، شیر احمد ، عبداللطیف، عبدالخالق، عبدالقادر مجید بھوانی ، روح الامین احمد ۔

کولڈ سٹوریج مشرق پاکستان : بدرالاسلام ، سید ہاشم رضا ، یوسف چنائی ۔

گلانڈرز آربتھ ناٹ جی معین الدین ، نصیر علی کھوسلہ ، میاں ریاض دولتانہ ، میاں انور علی ۔

ہاشمی کین : کیپٹن گوہر ایوب ، مسز زیب گوہر ایوب ، حبیب رحمۃاللہ ۔

حاجی دوسہ : عباس خلیلی ، روشن علی بھیم جی احمد ، ایچ اے دادا احمد

ایچ اے دوسہ ، حاجی ای دوسہ ، محمد عزیز دوسہ ، قاسم دادا ۔

کراچی کین : محمد علی الہ دین ، صدر دین الہ دین ۔

کوہ نور انڈسٹریز : رفیق سہگل ، میاں عبدالصمد ، فاروق سہگل ، اقبال سہگل ، علی محمد دادا ، عثمان سہگل ، خالد سہگل ، جاوید سہگل ۔

لپٹن : ایم اے رشید ، گاؤٹ مہتہ ، امیر ایس چنائی ، آئی یو خان ۔

نیشنل سرامک : محمد حفیظ الرحمان ، محمد بھائی ، رمضان علی ہرجی ۔

پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل : رنگون والا ، ممتاز حسن ، گل محمد ، محمد حنیف ، سید واجد علی شاہ ، لطیف جمال ، حاجی حبیب ، میاں محمد بشیر ۔

پاکستان روپ ورکس : اے ایچ احسن ، کلثوم حسن ایم اے امین ، ایم اے میکانی ۔

پاکستان سروسز : ائرمارشل اصغر خان ، احمد

داؤد ، اورسیز کاواس جی ،
حیدر محمد علی حبیب ، سید واجد
علی شاہ ، میاں محمد بشیر سہگل ،
محمود ہارون ، رنگون والا ۔

سکیورٹی سیف ڈیپارٹمنٹ : رفیق سہگل ، عبدالصمد ،
عبدالرزاق دادا ۔

سپنسرز کمپنی : ڈنشا ، چنائی ، ہاشم رضا ۔

عثمانیہ گلاس : شیخ فضل الٰہی پراچہ ، نثار
احمد ، محمد سلیم ، محمد سلیمان ،
محمد عمر ، عبدالرزاق ، محمد بشیر ،
عزیزاللہ احسن وغیرہ ۔

ان میں سے بعض کمپنیوں کی شرح سرمایہ و منافع ملاحظہ فرمائیے :

آدم جی	۴۴ • ۵۷
کوہ نور انڈسٹریز	۴۲ • ۷۲
بروک بانڈ	٦۵ • ۷۵
لپٹن	۵۵ • ۳۹
ہاشمی	۱۸ • ۸۷
اِمین ایجنسی	۱٦ • ۴٦
حاجی دوسہ	۴۰ • ۳۵

حاجی شیخ محمد حسین	۲٦ • ٦۰
پاک کروم	۷۸ • ۱۱
پاک روپ	۳۱ • ۲۹
سکیورٹی	۳۰ • ۸۲
سروس انڈسٹریز	۳۲ • ۳۳
عثمانیہ	۱۵ • ۲۰
ای پی کولڈ سٹوریج	۲۰ • ۳٦
پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل	۹۸ • ۳۰
سپنسر	۴۴ • ۴۰

منافع کی اس شرح کے باوجود ۱۹۷۰ء میں ۱۳ کمپنیوں نے حصہ داروں میں کوئی نفع تقسیم نہ کیا ۔ کوہ نور کے منقسم منافع کی شرح سب سے اونچی رہی یعنی ۳۵ فیصد (دس فیصد نقد اور ۵۰ فیصد بونس) اس کے بعد پاکستان کروم (۵۲ء۴۳ فیصد) اور بروک بانڈ (۲۰ فیصد) کا نمبر آتا ہے ۔ سکیورٹی سیف ڈیپارٹمنٹ اور پاکستان ہاؤس نے بھی ۲۰ فیصد منافع تقسیم کیا ہے ۔

بیمہ کمپنیاں

پاکستان میں ۷۴ بیمہ کمپنیاں ہیں جنہوں نے ملکی بیمہ کا اسی (۸۰) فیصد کاروبار سنبھال رکھا ہے ۔ باقی کا کاروبار ۲۷ غیر ملکی بیمہ کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے ۔

۱۹۷۰ء کی انشورنس ایر بک کے مطابق ۱۹۶۹ء میں ان کمپنیوں نے ۱،۲۶،۷۲۳ پالیسیاں جاری کیں جن کی مالیت ایک ارب ۲۴ کروڑ روپے سے زائد ہے۔ اس لئے ۱۹۶۹ء تک مجموعی جاری شدہ بیمہ کی رقم چار ارب ستر کروڑ روپے تک پہنچ گئی۔ اس میں سے صرف زندگی کے بیمہ کی رقم ایک ارب چھ کروڑ روپیہ ہے۔

کراچی سٹاک ایکسچینج کی فہرست میں بیس بیمہ کمپنیوں کے نام شامل ہیں جن کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ چار کروڑ ۴۲ لاکھ روپیہ ہے۔ مشہور کمپنیوں کے نام یہ ہیں۔ آدم جی، سنٹرل، کریسنٹ، ایسٹرن، ایسٹرن فیڈرل یونین، حبیب، مسلم، نیشنل سکیورٹی، نیو جوبلی، پاکستان گارنٹی، پاک انشورنس، پاک انشورنس کارپوریشن، پریمیئر، یونین، سٹنڈرڈ، سٹرلنگ اور یونیورسل۔ ان میں سے بعض کمپنیوں کے ڈائرکٹرز یہ ہیں۔

آدم جی انشورنس : زکریا آدم جی، گل محمد آدم جی، محمد حنیف آدم جی، یحیٰ احمد بھوانی۔

سنٹرل انشورنس : احمد داؤد، عبدالحمید احمد بھوانی، ایم اے رنگون والا، صدیق حاجی حبیب صدیق

داؤد۔

کریسنٹ : ایف ایم مل والا، آئی ایم مل والا، ایچ ایم مل والا۔

ایسٹرن انشورنس : سلطان ماؤجی، تار محمد حاجی، ماجد ظہیرالدین خاں۔

ایسٹرن فیڈرل : عبدالغنی حاجی حبیب، ابراھیم رحمۃاللہ، ایم ایم علی اصفہانی، روشن علی بھیم جی، حاجی عبدالستار احمد، حاجی حبیب۔

حبیب انشورنس : حامد حسین، قاسم دادا، حاجی رحمۃاللہ، حاجی داؤد، اسماعیل حبیب سلیمان حبیب۔

خیبر انشورنس : سردار بہادر خاں، ظفرالاحسن، میر خلیل الرحمان۔

نیشنل سکیورٹی : نصیر علی شیخ، مغیث اے شیخ، عزیز شیخ، ریاض دولتانہ۔

نیو جوبلی : امیر علی فینسی، جے ایچ فینسی۔

پاک انشورنس : خواجہ بشیر بخش اور دوسرے تاجر۔

پاک انشورنس کارپوریشن : اس میں ۵۱ فیصد مرکزی حکومت کے اور ۴۹ فیصد بیمہ کمپنیوں کے نمائندے اور دوسرے افراد ہیں ۔ مثلاً احمد داؤد ، فخرالدین ، ولی بھائی ، میاں محمد بشیر ، امیر علی فینسی ۔

پریمیئر انشورنس : رنگون والا ، میاں محمد بشیر محمد امین ۔

یونین انشورنس : رزاق دادا ، میاں محمد حنیف ۔

یونائیٹڈ انشورنس : فخرالدین ولی بھائی ، علی محمد دادا ، خواجہ بشیر بخش ، نجم الدین ولی بھائی ، سیف الدین ولی بھائی ۔

ادا شدہ سرمایہ سے منافع کا تناسب یہ ہے ۔

	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء
حبیب انشورنس	۲۲۶٫۲۰	۱۱۵٫۸۸
آدم جی انشورنس	۵۹٫۴۰	۲۰۱٫۴۴
پاکستان انشورنس کارپوریشن ۔	۵۹٫۴۰	۱۷۵٫۰۴
نیو جوبلی	۳۱٫۶۴	۱۱۲٫۶۶

یونائیٹڈ	۳۳٫۹۰	۴۴٫۶۵
سنٹرل	۷۴٫۵۵	۷۵٫۴۳
کریسنٹ سٹار	۲۷٫۲۰	۲۵٫۸۰
ایسٹرن	۲۲٫۱۵	۲۲٫۹۳
ایسٹرن فیڈرل یونین	۴۷٫۸۸	۶۷٫۸۸
پریمیئر	۲۰٫۳۵	۳۲٫۲۵

ظہیرالدین کمیٹی نے ۱۹۶۳ء میں بیمے کے کاروبار کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ان کمپنیوں کے نہ صرف پریمیم کی شرح نامنصفانہ ہے بلکہ آن کے انتظامی مصارف کی شرح (۳۸٫۰۱ فیصد) بھی غیر ملکی بیمہ کمپنیوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے ۔ اس کے علاوہ ۸ کروڑ روپے کی پالیسیاں ایسی تھیں جو نادہندگی کے الزام میں ضبط کر لی گئیں ۔ ۱۹۷۰ء میں حکومت نے ایک آرڈی ننس جاری کیا جس کی رو سے تمام بیمہ کمپنیوں کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اپنا ساٹھ فیصد اثاثہ سرکاری کفالتوں میں لگایا کریں ۔ ۱۹ مارچ ۱۹۷۲ء کے صدارتی حکم نامے کے تحت بیمہ کے کاروبار کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا ہے اور اس کے انتظام و انصرام کے لئے ایک بیمہ کارپوریشن بھی قائم کر دی گئی ہے ۔ خیال ہے کہ ان انتظامات کے تحت نہ صرف بیمہ کمپنیوں کے منافع میں اضافہ ہوگا بلکہ بیمہ داروں کو اضافی تحفظ مل سکے گا

اور پریمیم کی شرح میں تخفیف کر دی جائے گی ۔

بنک

سٹاک ایکسچینج کی فہرست پر تیرہ ایسے تجارتی اداروں کے نام درج ہیں جو بنکاری کی خدمات سرانجام دیتے ہیں ۔ آسٹریلشیا بنک ، بنک آف بہاولپور ، کامرس بنک ، حبیب بنک ، انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک ، پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انوسٹ منٹ کارپوریشن ، نیشنل بنک ، سرحد بنک ، مسلم کمرشل بنک ، پریمئیر بنک ، سٹینڈرڈ بنک ، سٹیٹ بنک ، یونائیٹڈ بنک ۔ ان کا ادا شدہ سرمایہ ۳۶ کروڑ ۵۱ لاکھ روپے ہے ۔ نظامت ملاحظہ فرمائیے :

آسٹریلشیا بنک : فاروق احمد شیخ ، نواب زادہ عبدالغفور ہوتی ، اسلم عزیز شیخ ، احمد حاجی حبیب ، بیگم ثریا فاروق

بنک آف بہاولپور : خواجہ بشیر بخش ، میرخلیل الرحمان ، نواب مظفر علی قزلباش ، سید واجد علی شاہ ، یوسف دادا ، ظفر احمد حسن ، امیر علی فینسی ، میاں محمد بشیر ، لطیف ابراہیم جمال ، جمی فینسی ۔

کامرس بنک : امیر علی فینسی ، میاں محمد بشیر

لطیف ابراہیم جمال ، جمی فینسی ۔

حبیب بنک : احمد حبیب ، حامد حبیب ، یوسف حبیب ، حاجی جان محمد ، حاجی داؤد رشید حبیب ۔

مسلم کمرشل بنک : عبدالواحد آدم جی ، عبدالغنی حبیب ، فخرالدین ولی بھائی ، مہدی اصفہانی ، زکریا آدم جی ، گل محمد آدم جی ۔

پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ کارپوریشن (پکک) : اے ڈبلیو آدم جی ، احمد داؤد ۔ فخرالدین ولی بھائی ۔

نیشنل بنک آف پاکستان : اس میں سرکاری افسروں کے علاوہ رنگوں والا اور چوہدری ظہور الٰہی وغیرہ بھی شامل ہیں ۔

سٹینڈرڈ بنک : نواب زادہ محمد امیر خان ، پیر محفوظ ، عطاء الرحمان علوی ، انعام الرحمان وغیرہ ۔

سٹیٹ بنک : سرکاری افسروں کے علاوہ قاسم دادا حبیب اللہ خان ، حاتم علوی وغیرہ

یونائیٹڈ بنک : حبیب رحمۃاللہ ، سلطان ماؤجی ، عبدالرزاق دادا ، آغا حسن عابدی ،

ایم بشیر سہگل ۔

ان میں سے ٹیکس ادا کرنے سے پہلے ادا شد سرمائے سے شرح منافع سب سے زیادہ سٹیٹ بنک کی ہے یعنی ۴۶۵٫۲۳ لیکن قانون کی رو سے آسے چھ فیصد سے زیادہ منافع تقسیم کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ اس کے بعد یونائیٹڈ بنک کا نمبر آتا ہے جو ۵۶٫۴۰ فیصد نفع کما رہا ہے ۔ پھر نیشنل بنک ، حبیب بنک ، سٹنڈرڈ بنک ، مسلم کمرشل بنک اور انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک آتے ہیں جن کی شرح منافع علی الترتیب ۶۲٫۷۰ فیصد ، ۴۸٫۸۹ فیصد ، ۲۲٫۳۳ فیصد ، ۴۷٫۶۳ فیصد اور ۳۰٫۸۰ فیصد ہے ۔

ان میں بعض بنکوں کے دس دس روپیہ کا حصہ تین تین گنا قیمت پر فروخت ہو رہا ہے ۔ مثلاً

سٹیٹ بنک	۵۹٫۱۶
پکک	۳۰٫۳۴
نیشنل بنک	۲۸٫۷۴
انڈسٹریل ڈویلپمنٹ	۲۰٫۱۴
مسلم کمرشل	۱۹٫۸۶

۱۹۷۰ء میں پانچ بنکوں کے حصص پر آمدنی یہ رہی ۔

سٹیٹ بنک	۴۶٫۶۴
پکک	۵٫۱۱

نیشنل بنک	۴٫۸۷
مسلم کمرشل	۲٫۷۶
یونائیٹڈ	۲٫۵۶

حبیب بنک کی آمدنی میں بارہ فیصد اضافہ ہوا ۔ لیکن ٹیکس سے قبل منافع کی شرح گرکر چھ فیصد ہوگئی ۔ یونائیٹڈ بنک کی آمدنی میں ۱۹ فیصد اور قبل از ٹیکس منافع میں ۱۴ فیصد اضافہ ہوا ۔ اسی طرح پکک اور سٹنڈرڈ بنک کی آمدنی علی الترتیب ۲۷ اور ۲۸ فیصد رہی ۔ لیکن اُن کا منافع دو فیصد کم ہوگیا ۔ آسٹریلیشیا بنک کی آمدنی میں ۱۹ فیصد اور مسلم کمرشل بنک کی آمدنی میں ۱۴ فیصد اضافہ ہوا ۔

کمرشل بنکوں کی پالیسی پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے امانت داروں سے روپیہ جمع کر کے بڑے سرمایہ کاروں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں ۔

پنجسالہ منصوبہ میں بتایا گیا ہے کہ ان بنکوں کا ۸۲ فیصد سرمایہ صرف تین فیصد کھاتہ داروں میں تقسیم ہوکر رہ گیا ہے ۔ پکک اور آئی ڈی بی بھی زیادہ تر بڑے بڑے صنعت کاروں کو روپیہ دیتے ہیں حالانکہ اُن کی امانتوں کی رقم چند ہزار سے زیادہ نہیں ہوتی ۔ اس کے برعکس جن چھوٹے چھوٹے امانت داروں نے کروڑوں روپیہ جمع کرا رکھا ہے اُن کو کاروبار کے لئے معمولی رقم بھی قرض کے طور پر نہیں

ایم بشیر سہگل ۔

ان میں سے ٹیکس ادا کرنے سے پہلے ادا شد سرمائے سے شرح منافع سب سے زیادہ سٹیٹ بنک کی ہے یعنی ۴۶۵٫۳۳ لیکن قانون کی رو سے آپ سے چھ فیصد سے زیادہ منافع تقسیم کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ اس کے بعد یونائیٹڈ بنک کا نمبر آتا ہے جو ۵۶٫۴۰ فیصد نفع کما رہا ہے ۔ پھر نیشنل بنک ، حبیب بنک ، سٹنڈرڈ بنک ، مسلم کمرشل بنک اور انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک آتے ہیں جن کی شرح منافع علی الترتیب ۶۲٫۷۰ فیصد ، ۴۸٫۸۹ فیصد ، ۲۲٫۳۳ فیصد ، ۴۷٫۶۳ فیصد اور ۴۰٫۸۰ فیصد ہے ۔

ان میں بعض بنکوں کے دس دس روپیہ کا حصہ تین تین گنا قیمت پر فروخت ہو رہا ہے ۔ مثلاً

سٹیٹ بنک	۵۹٫۱۶
پکک	۳۰٫۳۴
نیشنل بنک	۲۸٫۷۴
انڈسٹریل ڈویلپمنٹ	۲۰٫۱۴
مسلم کمرشل	۱۹٫۸۶

۱۹۷۰ء میں پانچ بنکوں کے حصص پر آمدنی یہ رہی ۔

سٹیٹ بنک	۴۶٫۶۴
پکک	۵٫۱۱

نیشنل بنک	۴٫۸۷
مسلم کمرشل	۲٫۷۶
یونائیٹڈ	۲٫۵۶

حبیب بنک کی آمدنی میں بارہ فیصد اضافہ ہوا ۔ لیکن ٹیکس سے قبل منافع کی شرح گر کر چھ فیصد ہوگئی ۔ یونائیٹڈ بنک کی آمدنی میں ۱۹ فیصد اور قبل از ٹیکس منافع میں ۱۴ فیصد اضافہ ہوا ۔ اسی طرح پکک اور سٹنڈرڈ بنک کی آمدنی علی الترتیب ۲۷ اور ۲۸ فیصد رہی ۔ لیکن ان کا منافع دو فیصد کم ہوگیا ۔ آسٹریلیشیا بنک کی آمدنی میں ۱۹ فیصد اور مسلم کمرشل بنک کی آمدنی میں ۱۴ فیصد اضافہ ہوا ۔

کمرشل بنکوں کی پالیسی پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے امانت داروں سے روپیہ جمع کر کے بڑے سرمایہ کاروں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں ۔

پنجسالہ منصوبہ میں بتایا گیا ہے کہ ان بنکوں کا ۸۲ فیصد سرمایہ صرف تین فیصد کھاتہ داروں میں تقسیم ہوکر رہ گیا ہے ۔ پکک اور آئی ڈی بی بھی زیادہ تر بڑے بڑے صنعت کاروں کو روپیہ دیتے ہیں حالانکہ ان کی امانتوں کی رقم چند ہزار سے زیادہ نہیں ہوتی ۔ اس کے برعکس جن چھوٹے چھوٹے امانت داروں نے کروڑوں روپیہ جمع کرا رکھا ہے ان کو کاروبار کے لئے معمولی رقم بھی قرض کے طور پر نہیں

مل سکتی -

۳۱ مارچ ۱۹۷۱ء تک پاکستان میں ۳۶ شیڈول بنک تھے - جنہوں نے ملک بھر میں ۳۳۴۸ شاخیں قائم کر رکھی ہیں - لیکن یہ شاخیں زیادہ تر شہری جائدادوں پر قبضہ کرنے کے لئے کھولی گئی ہیں - دیہاتی علاقوں کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا - ۱۹۷۱ء کے اواخر تک ان بنکوں کے پاس عوام کا ۱۵ ارب ۳۰ کروڑ روپیہ جمع تھا - اس سرمایہ میں سے ۱۲ ارب روپیہ ادھار کھاتے میں ہے (گویا ۷۸۰۵۲ فیصد) لیکن سب کا سب تیس خانوادوں میں بانٹ دیا گیا ہے -

تیس خانوادے

اس فہرست میں جو اعداد و شمار اور ڈائرکٹروں کے نام درج ہیں وہ بازار حصص کراچی کی اپریل ۱۹۶۹ء اور کارپوریٹ کمپنیز ایٹ اے گلانس (۶۸ء تا ۷۱ء) سے ماخوذ ہیں - اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں بعض ڈائرکٹر تبدیل ہوگئے ہوں یا سرمایہ اور حصص کی قیمتوں میں فرق پڑ گیا ہو - تاہم ان تجارتی و صنعتی اداروں کی ہیئت ترکیبی پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈالی جائے تو یہ شبہ باقی نہیں رہتا کہ چند مخصوص خانوادے ہیں جنہوں نے پاکستان کی کھربوں روپے کی قومی دولت پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے - آج سے دس بارہ برس قبل ان کی تعداد ۲۲ بتائی جاتی تھی لیکن تمام

اداروں کی انتظامیہ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو افراد تین یا تین سے زائد اداروں پر قابض ہیں ان کی تعداد ۳۵-۴۰ سے کم نہیں ہے - ان میں سے بعض اپنے سرکاری عہدے کے باعث ڈائرکٹر مقرر ہوئے تھے اور بعض دوست نوازی اور اعزہ پروری کی بدولت - ان کو فہرست سے خارج کر دیا جائے تو کروڑ پتی اجارہ داروں کی تعداد کسی صورت میں ۳۰ سے کم نہیں ہے ان خانوادوں کے نام درج ذیل ہیں -

(۱) احمد داؤد (۲) آدم جی (۳) بھوانی (۴) سہگل (۵) امیر علی فینسی (۶) رنگون والا (۷) اصفہانی (۸) نصیرائے شیخ (۹) قاسم دادا (۱۰) جنرل حبیب اللہ (خٹک فیملی) (۱۱) حبیب (۱۲) میاں محمد امین محمد بشیر (۱۳) ولی بھائی ولیکا (۱۴) سید واجد علی شاہ (۱۵) رستم کاؤس جی (۱۶) محمود ہارون (۱۷) سی ایم لطیف (۱۸) رانا خدا داد (۱۹) ریاض و خالد (۲۰) نون (۲۱) نواب زادہ عبدالغفور ہوتی (۲۲) حاجی دوسہ (۲۳) حاجی دوست محمد (۲۴) حاجی اے کریم (۲۵) منو خاندان (۲۶) حئی سنز (۲۷) ظفرالاحسن (۲۸) سولا بخش (۲۹) تاجی محمد خانزادہ (۳۰) فقیر فیملی -

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبہ تک ان کی تعداد

۲۲ تھی - جن میں سے ۱۱ کاٹھیاواڑی ، ۵ پنجابی ، ایک
مہاجر یوپی ، ایک پٹھان ، ایک ایرانی اور تین پارسی بیان کئے
جاتے ہیں -

ان میں اکثریت ایسے خانوادوں کی ہے جن کے افراد
صرف ڈائرکٹروں میں شامل نہیں بلکہ انہوں نے کئی کئی
کارخانے اور وہ بھی مختلف نوعیت کے جاری کر رکھے ہیں - مثلاً
احمد داؤد پہلے کی طرح صرف پارچہ باف کے ایک کارخانے کے
مالک نہیں رہے بلکہ ان کے کم و بیش ۱۴ ادارے ہیں -
مثلاً داؤد کارپوریشن ، داؤد کاٹن ملز بورے والا - لارنس پور
وولن - کرنا فلی پیپر - کرنا فلی ریان اینڈ کیمیکلز - داؤد
ہرکولیس کیمیکلز - داؤد پٹرولیم - داؤد مائنز - داؤد انڈسٹریز -
سنٹرل انشورنس کمپنی - سنٹرل لائف انشورنس کمپنی - میمن
کواپریٹیو بنک - داؤد فاؤنڈیشن - اسی طرح بھوانی گروپ میں
بھوانی وائل ٹیکسٹائل ملز ، بھوانی شوگر ملز - احمد بھوانی
ٹیکسٹائل ملز - لطیف بھوانی جوٹ - ایسٹرن کیمیکل - آر آر
ٹیکسٹائل ملز اور ایسٹرن ٹیوبس شامل ہیں - یہی حال کوہ نور
اور ولیکا کا ہے - ان خاندانوں نے اگر اپنی ابتدا پارچہ باف
سے کی تھی تو اب پٹ سن ، ریشم ، دوا سازی کے علاوہ بیمہ
اور بنک کے ادارے بھی چلا رہے ہیں - سب سے بڑی بات
یہ ہے کہ وہ ان بڑے بڑے اداروں میں بھی نظر آتے ہیں

جہاں بیٹھ کر وہ سرمائے کی فراہمی اور صنعت و تجارت کے
سلسلے میں سرکاری فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں - مثلاً
این آئی ٹی ، آئی سی پی ، آئی ڈی بی ، پکک اور پک میں
ان کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اس لئے اگر بیرونی اور اندرونی
سرمائے کا بیشتر حصہ انہی کی صنعتوں میں منتقل ہو جائے تو
اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے - پھر یہ فیصلہ کرنا بھی کہ
کون سی صنعت کہاں قائم کی جائے انہی لوگوں کے ہاتھ میں
ہے - کیونکہ سرمایہ کاری کی جدول تیار کرتے وقت ان کا
مشورہ شامل رہتا ہے -

فراہمی پر قبضہ

صنعتی و تجارتی اداروں کی ہیئت ترکیبی کا تجزیہ کرنے
سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ ۳۰ خانوادے نہ صرف
پاکستان کی اسی فیصد سالانہ قومی پیداوار پر متصرف ہیں
بلکہ اس کی تقسیم و فروخت بھی زیادہ تر انہی کے ذریعہ سے
عمل میں آتی ہے - جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ عام استعمال کی
اشیاء کے نرخ برابر بڑھ رہے ہیں اور حکومت کے ضبط و
انضباط کی کوششوں کے باوجود عوام کے معاشی بوجھ میں
کوئی کمی واقع نہیں ہو سکی - چند سال ہوئے منصوبہ بندی کے
شعبۂ تحقیق کے سربراہ مسٹر آر ایچ کھنڈیکر نے بتایا تھا کہ
پاکستان کے دونوں صوبوں کی نوے فیصد تجارت میمنوں ،

بوہروں اور خوجوں کے قبضہ میں ہے اور انہی لوگوں نے کراچی اور چٹاگانگ کی ساٹھ فیصد درآمدی تجارت پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے ۔ کراچی میں چوب ، کاغذ اور ہارڈ ویئر کا کاروبار بوہروں کے ہاتھ میں ہے ۔ اسماعیلی خوجے چمڑے ، گرم مسالہ ، گھڑیوں اور غذائی اشیاء کی درآمد کرتے ہیں ۔ اسی طرح چائے ، تیل ، گھی ، تمباکو ، چینی ، روئی اور دوسری بے شمار روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کی پیداوار ، بہم رسانی اور تقسیم پر چند افراد کا مکمل قبضہ ہے جو اپنی انجمنوں اور ایسوسی ایشنوں کے بل پر اُن کی قیمتوں کا رخ اپنی مرضی کے مطابق موڑنے پر قادر ہیں ۔ چنانچہ چائے کی مثال سامنے ہے ۔ پاکستان میں چار بڑی کمپنیاں ہیں — لپٹن ، بروک بانڈ، آدم جی، اصفہانی — چائے کی تحقیقاتی کمیٹی نے بتایا تھا کہ ان کمپنیوں کے نہ صرف اپنے باغات ہیں ۔ بلکہ جب ملکی یا غیر ملکی چائے چاٹگام میں نیلام ہوتی ہے تو اُس کا ٦٨ فیصد یہی کمپنیاں خرید لیتی ہیں اور اپنے برانڈ اور لیبل لگا کر آسے مہنگے داموں فروخت کرتی ہیں ۔ اس کے علاوہ چین اور سیلون سے جو اعلیٰ درجے کی چائے آمیزش کے لئے (بونس ووچر یا نقد لائسنس کے ذریعے سے) درآمد کی جاتی ہے وہ بھی انہی کمپنیوں کے حصے میں آتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال باوجودیکہ چائے کی قیمت گر کر سوا دو روپے فی پونڈ ہو گئی

تھی اُس کا اثر بازار میں دکھائی نہیں دیا اور گھٹیا چائے بھی بدستور ساڑھے چار روپے فی پونڈ کے حساب سے فروخت ہوتی رہی ۔ پاکستان ٹی بورڈ کے تخمینہ کے مطابق چار سال (٦٩-١٩٦٨ء) میں سات کروڑ تیس لاکھ پونڈ چائے فروخت ہوئی جس میں سے چھ کروڑ پونڈ چائے پاکستان کے باغات سے حاصل کی گئی اور ایک کروڑ چھ لاکھ پچاس ہزار پونڈ باہر سے درآمد ہوئی لیکن اُس میں سے صرف ٢٦ لاکھ پونڈ بازار میں لائی گئی اور باقی ٧٥ لاکھ پونڈ ذخیرہ کی گئی ۔

یہی حال تیل ، گھی ، تمباکو ، چینی اور روئی کا ہے ۔ جو لوگ پاکستان کے روئی بازار کے رجحانات پر نظر رکھتے ہیں اُن سے بات پوشیدہ نہیں کہ پچھلے کئی ہفتوں سے روئی کے بیشتر سٹاک پر صرف ایک پارٹی نے قبضہ جما رکھا ہے جس کے نتیجہ میں آئے دن BULLISH HELLAS کا اعلان ہوتا رہتا ہے (سٹہ بازی کے بازار میں جب نرخ ایک مقررہ حد سے بڑھ جائیں تو "ہیلہ" کا اعلان کر دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اب مال اور رقم کی موجودگی کے بغیر ہوا میں سودا بازی نہیں ہوگی بلکہ بیوپاری آپس میں حساب کتاب کرلیں ۔ اس دوران میں کاروبار روک دیا جاتا ہے ۔ اگر نرخ بڑھ گئے ہوں تو BULLISH HELLA کا اعلان ہوتا ہے اور اگر نرخ گر گئے ہوں تو BEARISH HELLA کیا

جاتا ہے)۔

خوردنی تیل

اسی طرح حال ہی میں بناسپتی گھی کے تاجروں نے مل کر اپنی پیداوار کے نرخ پھر بڑھا دیئے ہیں اور عذر یہ پیش کیا ہے کہ خوردنی تیل نایاب ہوگیا ہے۔ چنانچہ حکومت بیس ہزار ٹن تیل امریکہ سے منگوانے کے اختیار نامے جاری کرنے پر مجبور ہوگئی ہے۔ لیکن یہ تیل اگر بروقت پہنچ بھی جائے تو قیمتوں میں کمی کی توقع بے سود ہے۔ اس کا تجربہ پہلے بھی کئی مرتبہ ہو چکا ہے۔ ۱۹۶۵-۶۶ء میں جب خشک سالی کے باعث تیل کے بیجوں کی پیداوار کم ہوئی اور ادھر امریکہ نے پبلک لا نمبر ۴۸۰ کے تحت پاکستان کو مال بھیجنا بند کر دیا تو بناسپتی گھی والے اپنے کارخانے بند کرکے بیٹھ گئے اور بازار میں گھی کے نرخ آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اس پر حکومت نے نہ صرف ایک کروڑ روپیہ کے روغنی بیج کناڈا، چین اور روس سے درآمد کئے بلکہ یہ بھی یقین دلایا کہ بیجوں کی مقامی پیداوار بڑھانے کے لئے "سرتوڑ کوشش" شروع کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ گھی سازوں سے یہ اقرار نامہ لیا گیا کہ جونہی خام مواد کی بہم رسانی میں سہولت پیدا ہوئی وہ نرخ اعتدال پر لے آئیں گے۔ لیکن یہ توقع آج تک پوری نہیں ہوسکی اور بھاؤ برابر بڑھ رہے ہیں

جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بیجوں سے تیل نکالنے والوں اور گھی تیار کرنے والوں کی آپس میں ملی بھگت ہے اور وہ نفع خوری کے جذبہ کے تحت بازار میں آئے دن گھی کی قلت پیدا کرتے رہتے ہیں۔

گھی، چائے اور تیل کی طرح کاغذ کی پیداوار اور بہم رسانی پر بھی ایک ارب پتی خانوادے نے اجارہ داری قائم کر رکھی ہے جو اپنی مرضی کے مطابق ہر سال نیوز پرنٹ کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اب نیوز پرنٹ کے درآمدکاروں نے کاغذ کے نرخ پھر بڑھا دیئے ہیں۔ اس کا جو اثر اخبارات و رسائل اور تدریسی و غیر تدریسی کتب کی اشاعت پر ہوگا وہ تشریح کا محتاج نہیں۔

باب ۲

ارتکاز دولت

صنعت کاروں کا دعویٰ ہے کہ جن لوگوں کو "اجارہ دار،، اور ،،کروڑ پتی،، کہا جاتا ہے انہوں نے بڑی ہمت و قربانی سے کام لیا اور آگے بڑھ کر معاشی ترقی کے میدان کو پر کیا جو ان کی اہلیت و قابلیت پردال ہے ۔ حالانکہ پاکستان کی معاشی نمو کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ اب تک جتنی ترقی ہوئی ہے وہ عوام کے بے مثال جذبۂ ایثار و قربانی کی مرہون منت ہے ورنہ جو لوگ اس وقت زرومال کے منابع پر قابض ہیں انہوں نے لوٹ کھسوٹ اور مار دھاڑ کے سوا ملک کی نشوونما میں کوئی حصہ نہیں لیا ۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو برعظیم کے ۱۴،۵۶۹ کارخانوں میں سے صرف ۱،۴۰۷ پاکستان کے حصے میں آئے (گویا دس فیصد) اور وہ بھی معمولی طرز کے ،

مثلاً آٹا پیسنے کی چکیاں ، روئی اوٹنے کے کارخانے اور چاول کی چھٹائی کی فیکٹریاں ۔ اس پر مزید یہ کہ پاکستان کے پاس نہ روپیہ تھا ، نہ تکنیکی ادارے اور نہ تحقیقی معمل (ریسرچ انسٹی ٹیوٹ) اس کے باوجود عوام جو اس ملک کے حقیقی خالق تھے اپنی مملکت کو مضبوط تر بنیادوں پر استوار کرنے کا تہیہ کئے بیٹھے تھے ۔ خدا خدا کر کے حکومت نے ۱۹۴۹ء میں اپنی پہلی صنعتی حکمت عملی کا اعلان کیا جس کے مطابق اسلحہ ، برقابی قوت ، ریلوے ، ٹیلیفون اور تار کے مواصلاتی نظام کو چھوڑ کر صنعت و تجارت کے تمام دروازے نجی مہم کاری کے لئے کھلے چھوڑ دیئے گئے ۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ اعلان کیا گیا کہ درآمدی تجارت کے لئے لائسنس اور کارخانے قائم کرنے کی اجازت انہی لوگوں کو دی جائے گی جن کے پاس روپیہ او تجربہ دونوں ہوں ۔ اس وقت چونکہ نقل مکانی اور ہجرت کا سلسلہ جاری تھا اس لئے وہی لوگ اس اعلان سے فائدہ اٹھا سکے جو کراچی میں موجود اور حکومت کے قریب تھے ۔

برلا ٹاٹا بننے کی خراہش

پچھلے دنوں ایک صنعت کار نے ایک مقامی روزنامے میں لکھا کہ ہمیں اجارہ داری کا طعنہ دیا جا رہا ہے حالانکہ ہم نے محض پاکستان کے فائدے کے لئے گھر بار چھوڑا اور یہاں

آ کر صنعت و تجارت کو فروغ دیا ۔ اگر ہم ہندوستان ہی میں
رہتے تو آج ٹاٹا اور برلا کے ہم پایہ ہوتے اس سے ان لوگوں
کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ اُن کے پیش نظر ملک و
قوم کی خدمت نہیں بلکہ ٹاٹا اور برلا بننا ہے ۔ جہاں تک
ابتدائی سرمایہ کا تعلق ہے وہ ان میں سے شائد ہی کسی نے
لگایا ہوگا ورنہ جو لوگ عہد حاضر کی صنعت و تجارت کے
تقاضوں سے واقف ہیں اُن سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ بڑا
کاروبار شروع کرنے کے لئے خود مالدار ہونا ضروری نہیں ہوتا
بلکہ بعض حالات میں بنک سے ''مالی حیثیت'' کا ایک سرٹیفیکیٹ
لینا کافی ہوتا ہے (جس کی تکنیک یہ بھی ہے کہ چند منٹ
کے لئے کسی دوست یا ، رشتہ دار سے چند ہزار روپے پکڑے
بنک میں جمع کرانے اور سرٹیفیکیٹ اتنے ہی نکلوا لئے) اور
بعض حالات میں محض سیاسی اثر و رسوخ کام آ جاتا ہے ۔
ایک کروڑ کا لائسنس لیا بلیک میں آدھا فروخت کر دیا اور
باقی کا کاروبار شروع کر دیا ۔ اس کے بعد حکومت کی مالی
سہولتوں ، بنک کے قرضوں اور غیر ملکی امداد سے مستفیض
ہونا کچھ مشکل نہیں رہتا ۔ ۳۱ مئی ۱۹۶۸ء کو قومی اسمبلی
میں حکومت نے ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ ایک
صنعت کار ایک کروڑ روپیہ سرمایہ لے کر پاکستان آیا تھا اب
وہ ۸۰ کروڑ روپے کی آسامی بن چکا ہے ۔ اسی طرح ایک

شخص کا بنک بیلنس ۶۴۸ روپے تھا ۔ لیکن آج اس شخص کا
شمار ۲۲ خاندانوں میں ہوتا ہے ۔ لیکن عام لوگ چونکہ نہ تو
اس کاروباری داؤ پیچ سے واقف تھے ، نہ حکومت کے ایوانوں
تک اُن کی رسائی تھی اس لئے ابتدا میں اگر معدودے چند
افراد ہی ''چشمۂ رواں'' سے سیراب ہوسکے تو اس کی
ذمہ داری عوام پر نہیں ، اُس زمانے کی حکومتوں کی پالیسی پر
عائد ہوتی ہے ۔

صنعتی و تجارتی حکمت عملی

بدقسمتی سے اس خصوص میں حکومت نے جو قواعد و
ضوابط وضع کر رکھے ہیں ۔ ان کا منطقی نتیجہ یہی ہو سکتا
تھا کہ تمام صنعتی و تجارتی قوت سمٹ کر ایک مخصوص ٹولے
کے ہاتھ میں آ جائے اور امیر تو ''امیر تر'' بن جائیں لیکن
عوام کو بدستور ''ایثار و قربانی'' کا درس دیا جائے ۔ چنانچہ
اب تک جس پالیسی کو ''رہنما اصول'' بنایا جا رہا ہے اُس کے
چند خد و خال مختصر الفاظ میں یہ ہیں :

۱ ۔ ۱۹۶۹ء کی ابتدائی حکمت عملی کے تحت کہا گیا
کہ پاکستان میں چونکہ صنعت کار اور تاجر پیشہ لوگ نہیں ہیں
(حالانکہ صرف برسراقتدار ٹولے کو نظر نہ آئے) اس لئے ملکی
ذرائع کی بنیاد پر روئی ، پٹ سن ، چمڑہ ، کھانڈ ، سیمنٹ اور
کاغذ کی صنعتوں کو جلد سے جلد ترقی دینے کے لئے سہم کاروں

کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دی جائیں ۔ چنانچہ حکومت نے
اپنی مرضی کے چند لوگوں کو منتخب کیا اور اُن کو نہ
صرف کارخانے قائم کرنے کے لئے زمین دی بلکہ مشینری ،
پرزے اور خام مال منگوانے کے لئے لائسنس بھی دیئے اور
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے مالی اداروں اور بنکوں کے
ذریعے سرمایہ بھی دلایا ۔ یہیں سے اجارہ داری کی ابتداء ہوئی
چند افراد نے من مانے دام وصول کر کے خوب روپیہ کمایا ۔

۲ ۔ ۱۹۵۰-۵۱ء میں کوریا کی جنگ ہوئی جس نے
دنیا بھر میں ''تجارتی ریل پیل'' پیدا کر دی ۔ خام مال کے
بھاؤ چونکہ چڑھ گئے اس لئے پاکستان کے صنعت کاروں کی
بھی پانچوں گھی میں رہیں اور ایک ہی سال کے اندر اندر
برآمد سے آمدنی ایک ارب اکیس کروڑ سے بڑھ کر دو ارب
پچپن کروڑ روپے ہوگئی ۔

۳ ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ فاضل آمدنی ملک کی
معاشی نمو اور ترقی و بہبود کے لئے وقف کر دی جاتی اور ملک
کو ہر جہت سے خودکفیل بنانے کے لئے بھاری صنعتیں قائم
کی جاتیں ، لیکن مفاد پرست طبقہ اس بحث میں مصروف
رہا کہ فولاد کا کارخانہ اقتصادی لحاظ سے بارآور بھی ثابت
ہوگا یا نہیں ؟ اور اُسے سرکاری انتظام کے تحت چلایا جائے یا
نجی شعبہ کے سپرد کر دیا جائے ؟ اس کے علاوہ یہ سوال

اب تک حل نہیں ہو سکا کہ پاکستان میں خام لوہے کی جو
کانیں دریافت ہوئی ہیں وہ فولاد کے کارخانہ کو معیاری لوہا
مہیا کر سکیں گی یا نہیں ، پچھلے دنوں سابق وزیر تجارت
مسٹر غلام فاروق نے ''فولاد کے سکینڈل'' پر سے پردہ اُٹھایا
تو معلوم ہوا کہ امریکی ایکسپورٹ امپورٹ بنک سے قرض
منظور ہونے کے باوجود پوری سکیم کو کھٹائی میں ڈال دیا
گیا ۔ اب غیر ملکی ماہرین نے یہ فتویٰ بھی صادر کر دیا ہے
کہ میانوالی میں جو خام لوہا دریافت ہوا تھا وہ فولاد بنانے
کے لئے موزوں نہیں ہے ۔ ان حالات میں بھاری صنعت کیا قائم
ہوتی ؟ ادھر کوریا کی جنگ میں کمایا ہوا تمام روپیہ مال صرف
اور سامان تعیش کی درآمد پر ضائع کر دیا گیا ۔ اس زمانے میں
وزارت تجارت کا قلم دان مسٹر فضل الرحمان کے سپرد تھا ۔
اُنہوں نے موٹروں اور گانے بجانے کے سامان کے علاوہ جاپان
سے لاکھوں روپے کے کھلونے بھی درآمد کرنے کی اجازت دینے
سے دریغ نہ کیا ۔

۴ ۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ درآمدی لائسنس بھی
انہی صنعت کاروں کو دیئے گئے جن کے ذمے ایک اہم قومی
فریضہ لگایا گیا تھا ۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ تجارت میں
صنعت کی بہ نسبت کئی گنا منافع ہے تو اُنہوں نے اپنے تمام تر
وسائل درآمدی کاروبار کے لئے وقف کر دیئے ۔ نتیجہ ظاہر ہے

که جونهی کوریا کی جنگ ختم هوئی پاکستان کے پاس نه تو خارجه مبادله رها نه اس کی اپنی صنعت نے کوئی ترقی دکھائی۔ چنانچه ملک کو معاشی بدحالی کا سامنا هوا۔

۵۔ حکومت نے صورت حال پر قابو پانے کے لئے ''تیز تر صنعت کاری،، کی حکمت عملی واضع کی۔ لیکن بنیادی خاکے میں چونکه کوئی تبدیلی نه کی گئی اس لئے اگر بعض شعبوں میں ترقی هوئی بھی تو اس کا عام معیشت پر کوئی اثر نه پڑا۔ بلکه ایک طرف اگر قیمتوں میں اضافه هوا تو دوسری طرف برآمد کا تناسب ۱۹۴۸-۴۹ء کے ۹۵ فیصد سے گر کر ۱۹۵۷-۵۸ء میں ۸۴ فیصد تک پهنچ گیا۔

۶۔ صدر ایوب نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے زعم میں ''صنعت و تجارت کا رخ متعین کرنے کے لئے،، جو اقدامات کئے ان سے اجاره داری کی اور بھی حوصله افزائی هوئی۔ مثال کے طور پر کها گیا که اب زراعت اور زراعت سے متعلقه صنعتوں کو فروغ دیا جائے گا۔ ''زرعی اصلاحات،، سے چونکه بڑے زمینداروں کو کوئی فرق نهیں پڑا۔ اور مالیه، لگان، آبیانه، ٹریکٹروں کے کرائے اور کھاد کی قیمتوں میں اضافے کے باعث اوسط درجے کے زمیندار اس قابل بھی نهیں رهے که حکومت کی مقرره قیمتوں پر اناج فروخت کرکے اپنا پیٹ پال سکیں۔ (ادھر بازار میں بھی گندم اور آٹا کنٹرول سے زائد نرخ پر

فروخت هو رهے هیں) اس لئے اس پالیسی کا فائده بھی زیاده تر متمول طبقه کو پهنچا۔

۷۔ صدر ایوب کے عهد میں یه بھی طے هوا تھا که آئنده بھاری صنعتوں کے قیام پر زور دیا جائے اور معمولی اور ساده صنعتیں چھوٹے اور نئے مهم کاروں کے لئے چھوڑ دی جائیں۔ اس کا یه مطلب نهیں که ۲۲ خانوادے اپنی تمام ''ساده اور معمولی،، صنعتوں سے نئے مهم کاروں کے حق میں دست بردار هو جائیں گے بلکه یه هے که بڑی صنعتیں بھی انهی خانوادوں کی سپرداری میں دے دی جائیں گی۔ باقی رهے عام لوگ تو ان سے بدستور یهی کها جائے گا که آؤ چھوٹی چھوٹی ساده اور معمولی صنعتیں قائم کرلو۔ ظاهر هے که جهاں اجاره داری کی بلند و بالا چٹانیں گاڑ دی گئی هوں وهاں ''ننھے آدمی،، انهی سے اپنا سر پھوڑ کر ره جانے کے سوا کیا کرسکتے هیں؟

۸۔ امیر کو ''امیر تر،، بنانے کی ذمه دار وه تجارتی پالیسیاں بھی هیں جو درآمد و برآمد کے لئے وضع کی جاتی هیں۔ چنانچه هر سال اعلان کیا جاتا هے که اس مرتبه درآمدی پالیسی کو نه صرف ''صنعتی رنگ،، دیا گیا هے بلکه ''فیاضانه،، بنا دیا گیا هے جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نهیں هوتا که بڑے صنعت کاروں کو اور زیاده فائده پهنچے گا اور

"صارفین" یا عوام مارے جائیں گے کیونکہ جن صنعت کاروں کو "بونس وؤچر "یا" بونس اور نقد" کی سکیموں کے تحت خام مال، مشینری یا پرزے درآمد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اُن کی تعداد ہر سال بڑھا دی جاتی ہے - بونس وؤچر سے چونکہ مال کی قیمتوں میں دگنا یا تگنا اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے عام بھاؤ بھی نیچے آنے کا نام نہیں لیتے اور خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑتا ہے -

غیر ملکی امداد کا مصرف

۹ - سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بیرونی ممالک سے اب تک جتنی اقتصادی امداد میسر آئی ہے اُس کا بیشتر حصہ انہی خانوادوں کی تجوریوں میں ڈالا گیا ہے - سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کو گزشتہ چار برس میں مختلف ممالک اور مالیاتی اداروں (مثلاً عالمی بنک، آئی ڈی اے، آئی ایف سی یا یو این کے خصوصی گماشتوں) کی جانب سے ۶۹۳۲۹۰.۹۴ ملین ڈالر یا تقریباً ۲۵ ارب روپیہ بطور قرض یا عطیہ ملا تھا - یہ روپیہ کہاں گیا؟ انڈسٹریل بنک، پاکستان انڈسٹریل اینڈ کریڈٹ کارپوریشن، ایگریکلچرل ڈولپمنٹ بنک اور دوسرے سرکاری و نیم سرکاری بنکوں کی رپورٹوں سے معلوم ہوگا کہ یہ رقم پنجسالہ منصوبوں کے تحت انہی ملوں اور کارخانوں کے حصے آئی جن پر ۲۲ خانوادوں کا قبضہ ہے -

چنانچہ پکک کی تازہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اب تک اس ادارے نے دو ارب روپیہ پاکستان کی ترقی پر لگایا ہے - جس میں سے صرف تیسرے منصوبے کے پہلے اڑھائی سال کی سرمایہ کاری ۹۷ کروڑ روپے تک پہنچ گئی ہے - لیکن یہ مقامی اور غیر مقامی زر رائج کس کو ملا؟ سالانہ رپورٹ کے مطابق سب سے بڑا حصہ (۱۹ کروڑ ۳۰ لاکھ روپیہ) صرف سوتی پارچہ بافی کو دیا گیا - اس صنعت پر جو لوگ قابض ہیں اُن کے نام اوپر درج کئے جا چکے ہیں - جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کروڑوں روپے کی غیر ملکی امداد کس کی جیبوں میں جا رہی ہے؟ یہی حال دوسرے بنکوں اور مالی اداروں کا ہے -

چنانچہ انڈسٹریل ڈویلپ منٹ بنک آف پاکستان کو مارچ ۱۹۶۹ء تک مختلف غیر ممالک سے ۲۹۵۰۹. ڈالر تقریباً (ڈیڑھ ارب روپیہ) امداد ملی - اس کے علاوہ اُس نے مرکزی حکومت سے ۹ کروڑ اور سٹیٹ بنک سے ۱۰ کروڑ روپیہ بطور قرض لیا - پھر اُس کے پاس بھی تقریباً ۱۸ کروڑ روپیہ کی امانتیں جمع ہیں - بنک کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ گزشتہ ساڑھے سات برس میں اُس نے ایک ارب ۸ - کروڑ روپے کے قرضے جاری کئے ہیں جن میں سے ایک ارب ۲۸ کروڑ روپیہ غیر ملکی کرنسی کی صورت میں تھا تفصیل پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس بنک نے بھی ۱۹۶۵-۶۷ء میں دس لاکھ
روپے سے اوپر کے قرض صرف ۲۷ فرموں کو دیئے (جن کی
مجموعی مالیت ۱۳ کروڑ روپیہ بنتی ہے) ۱۵ لاکھ روپے سے
زائد صرف ۱۷ فرموں کے لئے وقف رکھے (جن کی مجموعی مالیت
ایک کروڑ تین لاکھ روپیہ ہے) جن لوگوں کو ۵ لاکھ روپیہ
سے کم قرض کا مستحق سمجھا گیا اُن کی تعداد ۲۴۶ ہے اور
مجموعی طور پر اُن کے حصے میں صرف تین کروڑ روپیہ آیا -
(گو یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑے خانوادوں میں سے کتنے افراد
نے جزوی کاروبار کے لئے چھوٹے چھوٹے قرضوں کے نام پر
روپیہ سمیٹ لیا) سٹیٹ بنک آف پاکستان کی تازہ ترین رپورٹ
(۱۹۶۸-۶۹ء) میں بتایا گیا ہے کہ اُس کے ذریعے جو
بیرونی کرنسی کے قرضے جاری ہوئے اُن کی مالیت ۹ ارب
۶۰ کروڑ روپیہ سے تجاوز کر گئی - لیکن اس میں سے زیادہ تر روپیہ
سرکاری شعبہ پر صرف ہوا - نجی شعبہ نے پچھلے سال کی
بہ نسبت ۸٫۷۹ کروڑ روپیہ کم قرض لیا اور اب اُس کے
ذمے ۸ ارب ۲۱ کروڑ روپیہ رہ گیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے
کہ پچھلے سال ایک تو سٹیٹ بنک نے قرض دینے کی شرائط
قدرے سخت کر دی تھیں - دوسرے شرح سود میں اضافہ
ہو گیا تھا - تیسرے نجی شعبہ نے اس عذر کے پیش نظر کہ
باہر سے مشینری اور خام مال منگوانے میں دقت ہو رہی ہے

اپنی پیداوار کم کر دی تھی - بہرحال اس سے یہ اندازہ ہو سکتا
ہے کہ بنکوں کا قرض زیادہ تر کن لوگوں کی جیبوں میں جا رہا
ہے - اس کی ذمہ داری حکومت کی سرمایہ کارانہ حکمت عملی کے
سوا کسی پر عائد نہیں ہوتی - نیشنل بنک آف پاکستان نے اپنی
رپورٹ (۱۹۶۸-۶۹ء) میں لکھا ہے کہ سٹیٹ بنک نے یہ
ہدایت نامہ جاری کر رکھا ہے کہ قرض کا رخ صرف پیدا آوری
شعبہ کی جانب رکھا جائے - پاکستان میں پیدا آور شعبہ زیادہ تر
۲۲ خانوادوں کے تصرف میں ہے - اس لئے ظاہر ہے کہ بیرونی اور
اندرونی سرمایہ کاری سے بھی زیادہ تر وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں -

نجی شعبہ میں سرمایہ کاری

۱۰ - اعتراض اس پر نہیں کہ صنعت و حرفت کی ترقی
پر اتنا روپیہ کیوں لگایا جا رہا ہے بلکہ اس پر ہے کہ
سرمایہ کاری کا دامن بہت محدود کر دیا گیا ہے اور اس میں
انہی افراد کے لئے گنجائش پیدا کی جاتی ہے جو پارچہ بافی ،
سیمنٹ ، تمباکو ، چینی اور کاغذ ایسے منفعت بخش کاروبار پر
حاوی ہیں - اس کے مقابلہ میں دست کاریوں اور تھوڑے
سرمایہ کی صنعتوں کے لئے بمشکل ۲۰۱٫۷ کروڑ روپیہ وقف
کیا گیا ہے (اس میں سے بھی ۱۴۶٫۸۱ کروڑ روپیہ مغربی
پاکستان کے لئے ہے - جو اونٹ کے منہ میں زیرے کی حیثیت
رکھتا ہے) - یہی وجہ ہے کہ جہاں بڑی صنعتیں دن دونی رات

چوگنی ترقی کر رہی ہیں وہاں چھوٹی صنعتوں کی رفتار ترقی
۲ء۶ فیصد سالانہ سے آگے نہیں بڑھ سکی ۔

۱۱ - سرمایہ کاری کے لئے حکومت نے وزارت صنعت
کے تحت ایک محکمہ قائم کر رکھا ہے جس کا نام ہے ''ڈیپارٹمنٹ
آف انوسٹ منٹ پروموشن اینڈ سپلائز،، ۔ نجی شعبہ میں ملکی
یا غیر ملکی سرمایہ لگانے کے تمام فیصلے اسی محکمہ کے ذریعے
سے ہوتے ہیں ۔ اس محکمہ نے غیر ملکی سرمایہ کے حصول
کے لئے جو فیاضانہ مراعات دیں اُن کے نتیجہ میں پاکستان کو
بے شک بڑا فائدہ پہنچا ۔ لیکن بد قسمتی سے نہ اس کی تقسیم
منصفانہ بنیادوں پر عمل میں آ سکی ہے ، نہ اُس کا استعمال
صحیح طور پر ہو رہا ہے ۔

غیر معیاری مال

غیر منصفانہ تقسیم تو اسی سے ظاہر ہے کہ بیرونی امداد سے
زیادہ تر ایک مخصوص طبقہ فائدہ اُٹھا رہا ہے جہاں تک استعمال
کا تعلق ہے اُس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ
پاکستان میں شاید ہی کوئی ایسی صنعت ہو جو بین الاقوامی معیار
پر پوری اُترتی ہو ۔ جن صنعتوں پر سب سے زیادہ روپیہ لگایا گیا
ہے وہ قند سازی، بناسپتی گھی، چائے ، کپڑا اور سوت ، پٹ سن ،
سیمنٹ اور کاغذ ہیں ، باوجودیکہ ان کارخانوں میں اُسی
میشنری اور خام مال کا استعمال ہوتا ہے جو غیر ممالک میں مقبول
ہیں اُن کی مصنوعات ابھی تک بین الاقوامی معیار تک نہیں پہنچ

سکیں ۔ بلکہ مشاہدہ اور تجربہ سے ظاہر ہے کہ نہ صرف گھٹیا
مال تیار کیا جاتا ہے بلکہ قیمتیں بھی عالمی معیار سے کہیں
زیادہ ہیں ۔ یہ وجہ ہے کہ نہ صرف سمگلنگ کی حوصلہ افزائی
ہوتی ہے بلکہ باہر بھی پاکستان کی بدنامی ہو رہی ہے ۔

اس سلسلہ میں شکایات کا سلسلہ اب تک جاری ہے ۔
ابھی پچھلے سال چین نے شکایت کی تھی کہ اُسے ملاوٹی روئی بھیج
دی گئی ہے ۔ اسی طرح مشرق وسطیٰ ، افریقہ اور یورپ کے
وفود بارہا شکایت کر چکے ہیں کہ اُن کو معیاری مال نہیں بھجوایا
جا رہا ۔ اس میں شک نہیں کہ حکومت پاکستان نے بارہا
صنعت کاروں کو متنبہ کیا ہے اور لائسنسوں کی تنسیخ اور
جرمانوں کی دھمکیاں بھی دی ہیں لیکن جب منہ کو خون
لگ چکا ہو تو بمشکل ہی چھٹتا ہے اور یہ کیفیت اُس وقت
تک قائم رہے گی جب تک معاشی اقتدار ایک مخصوص طبقہ
کے ہاتھ میں ہے ۔ کاروباری بد دیانتی کو روکنے اور پاکستان کے
صنعتی و تجارتی معیار کو بلند کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ
معاشی قوت جن ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہے اُن سے
واپس لی جائے اور اُسے منصفانہ بنیاد پر از سر نو تقسیم کیا
جائے ۔ ظاہر ہے کہ اس غرض کے لئے سب سے پہلے بنیادی
صنعتی و تجارتی حکمت عملی کو تبدیل کرنا پڑے گا ۔

سرکاری ادارے

پاکستان میں ارتکاز زر اور اجارہ داری کے رجحانات کو
ختم کرنے کے لئے بعض حلقوں نے کلیدی صنعتوں کو قومی
ملکیت میں لینے کی تجویز پیش کی ہے - (گو یہ نئی تجویز نہیں
بلکہ پہلے پنجسالہ منصوبے کے نفاذ کے وقت بھی یہ سوال
اٹھایا گیا تھا - لیکن اس وقت برسر اقتدار طبقہ کی جانب سے
کہا گیا کہ پہلے سرمایہ داروں کو اپنا روپیہ لگا لینے دو -
جب ۲۰، ۲۵ برس بعد صنعتیں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائیں
گی اس وقت حکومت ان کو اپنے قبضہ میں لے لے گی) - اس میں
شبہ نہیں کہ نجی سرمایہ کاری اور دولت و ثروت کے ارتکاز کو
روکنے کے لئے قومی ملکیت سے بہتر کوئی حربہ نہیں - لیکن
یہ علاج تجویز کرنے سے پہلے "قومی ملکیت" کے معنی و
مفہوم کا تعین کر لینا ضروری ہے - اگر قومی ملکیت کے یہ
معنی ہیں کہ 'واپڈا' - 'پی آئی ڈی سی' - 'اے ڈی پی' اور
'آئی ڈی بی' وغیرہ کی طرح بڑی بڑی کارپوریشنیں بنا کر
کسی ریٹائرڈ سی ایس پی یا فوجی افسر کو ہزاروں روپیہ ماہانہ
مشاہرہ پر چیئرمین بنا دیا جائے تو ظاہر ہے اس سے مسئلہ
حل نہیں ہوگا بلکہ اور بھی پیچیدہ ہو جائے گا - اس وقت جو
صنعتیں سرکاری شعبہ (پبلک سیکٹر) میں شامل ہیں ان کی
نا اہلی ، نالائقی اور نا پیداکاری ضرب المثل بن چکی ہے - پہلے

تو ان کا حساب کتاب بھی مخفی رکھوا جاتا تھا - اب کے برس
"سرکاری سرپرستی میں چلنے والے ادارے" کے نام سے ایک
۱۷۵ صفحات کی کتاب شائع کی گئی ہے جس میں ۲۵ فرموں
کے نام ہیں - نیشنل بنک آف پاکستان ، انڈسٹریل بنک ،
ایگریکلچرل بنک ، پکک ، پاکستان انشورنس کارپوریشن ،
ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ، ریفوجی فنانس کارپوریشن ،
انوسٹمنٹ کارپوریشن ، این آئی ٹی ، پی آئی اے ، نیشنل شپنگ
کارپوریشن ، پاکستان سکیورٹی پرنٹنگ پریس ، کراچی الیکٹرک
سپلائی کارپوریشن ، پاکستان الیکٹرک ایجنسیز ، ٹیلیفون انڈسٹریز ،
ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان ، جوٹ ٹریڈنگ کارپوریشن ،
آئل اینڈ گیس ڈویلپمنٹ کارپوریشن ، پرنٹنگ کارپوریشن آف
پاکستان ، پاکستان سٹیل ملز کارپوریشن ، پاکستان آئل فیلڈز ،
پاکستان پٹرولیم ، پاکستان سٹیل ورکس، پٹرولیم پروجیکٹ ڈویلپمنٹ
آف پاکستان -

سرکاری شعبہ کی نااہلی و نالائقی

غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بڑی بڑی
کمپنیاں دراصل سرمایہ ، تجارت اور بعض خدمات (مثلاً بنک ،
بیمہ اور بجلی کی فراہمی) پر سرکاری افسروں کا تصرف قائم
رکھنے کے لئے معرض وجود میں لائی گئی ہیں اور ان میں
نجی سرمایہ داروں کا بھی برابر عمل دخل ہے - اس لئے ان کو

کسی طرح بھی قومی ملکیت کہنا جائز نہیں ھے ۔ پاکستان
سکیورٹی پرنٹنگ پریس کا کام کرنسی نوٹ چھاپنا ھے ۔ اس لئے
در اصل اسے سٹیٹ بنک کا شعبہ ھونا چاھئے تھا ۔ زرعی اور
صنعتی بنک اور سرمایہ کاری کے دوسرے ادارے سرمایہ بندی
میں ضرور مصروف ھیں ۔ لیکن بد قسمتی سے ان کا فائدہ صرف
بڑے بڑے خانوادوں کو پہنچ رھا ھے ۔ پٹرول اور گیس کے
اداروں کی اھمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ۔ لیکن
۱۹۶۱ء سے اب تک ۶۰ کروڑ روپیہ کا زر مبادلہ محض تیل کی
تلاش میں صرف کیا جا چکا ھے ۔ مقامی اور غیر مقامی تیل کی
کمپنیوں نے ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۸ء تک ۵۲ کنوئیں کھودے
لیکن ان میں سے صرف تین ایسے نکلے جن کے متعلق خیال ھے
کہ ان میں تیل ھوگا ۔ ان حالات میں اگر یہ تمام سرکاری ادارے
اب تک غیر منفعت بخش ثابت ھوئے تو تعجب نہیں ھو سکتا ۔
اعدا و شمار سے ظاھر ھے کہ ۲۵ میں سے ۹ ایسے ادارے ھیں
جنھوں نے اپنے حصہ داروں میں منافع تقسیم کیا ورنہ باقی سب کے
سب خسارے میں جا رھے ھیں ۔ یا ان کا منافع تین سو سے
پانچ سو روپیہ سالانہ تک ھے (مثلاً جوٹ ٹریڈنگ کارپوریشن
یا ٹیلیفون انڈسٹریز) ۔ پھر ان میں سے اکثر ادارے چونکہ
غیر ملکی قرضوں کے سہارے چل رھے ھیں ، اس لئے ظاھر ھے
کہ وہ پاکستان کے لئے اثاثہ نہیں ، بوجھ ثابت ھو رھے ھیں

سب سے بڑی بات یہ ھے کہ بعض ادارے عوام کے لئے مستقل
عذاب کا موجب ھیں ۔ مثلاً واپڈا اب تک اتنا بھی نہیں
کر سکا کہ آئے دن بجلی فیل ھونے کی روک تھام کر سکے ۔ یا
کم از کم صارفین کو بل ھی درست بنا کر بھیجے ۔ اسی طرح
صنعت و تجارت کو سرمایہ فراھم کرنے کے لئے جو ادارے قائم
کئے گئے ھیں ان سے چند خاندانوں کے سوا کسی کو
فائدہ نہیں پہنچا ۔

سرکاری شعبہ کی اسی نالائقی اور نااھلی کو دیکھتے ھوئے
ایوب حکومت نے پی آئی ڈی سی کے تمام کارخانوں کو نیلام
کر دینے کا فیصلہ کیا تھا اور واپڈا ایسے اداروں کے بارے
میں بھی خیال تھا کہ ان کو چھوٹی چھوٹی شرکتوں اور
مضاربتوں میں تقسیم کر دیا جائے گا ۔ لیکن یہ فیصلہ بھی
بد دیانتی پر مبنی ثابت ھوا ۔ کیونکہ جونہی پی آئی ڈی سی کے
کارخانے اونے پونے نیلام ھوئے اسے کسی نہ کسی کروڑ پتی
خانوادے کے حوالے کر دیا گیا ۔ یہی حال ان اداروں اور
کارخانوں کا رھا جو تقسیم برصغیر کے وقت تارکان وطن یہاں
چھوڑ کر گئے یا جن کو ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے زمانہ
میں دشمن کی جائداد قرار دے دیا گیا ۔ (ابھی پچھلے دنوں
پارچہ بافی کی تین متروکہ ملیں انہی ۲۲ میں سے ایک
خانوادے نے ۲۲ کروڑ روپے کی سب سے اونچی بولی دے کر

خود خرید لیں ۔ ظاہر ہے عوام میں سے کسی کی یہ ہمت نہ
ہو سکتی تھی کہ اتنی خطیر رقم جیب سے نکالے ۔ اسی طرح
مال روڈ کی اورینٹل انشورانس بلڈنگ کی نیلامی کے سلسلہ
میں جو سکنڈل زبان زد عام ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں ۔

قومی ملکیت

ان حالات میں پاکستان میں ''قومی ملکیت،، کے کس
تصور کو ترجیح دی جائے ؟ اگر معاشیات کے کسی نا طرفدار
طالب علم کی رائے کچھ وقعت رکھتی ہے تو وہ
افلاطون کی ''عمومیہ،، ۔ ٹامس مور کی ''یوٹوپیا،، اور
کارل مارکس کی ''ڈاس کیپٹل،، کا مطالعہ کرنے کے بعد اور
گلڈ سوشلزم، فیبین سوسائٹی، کرسچن سوشلزم ، ریڈیکل سوشلزم
اور ڈیموکریٹک سوشلزم پر نگاہ رکھتے ہوئے یہی مشورہ دینے
پر مجبور ہوگا کہ پاکستان میں اسلامی تعلیمات کے مطابق
(خیرالامور اوسطہا) درمیانہ راہ اختیار کرنی چاہئے جو
فلسفۂ اجتماعیت کے ان بنیادی عناصر کے سوا کچھ نہیں کہ :

۱ - پیداواری زرائع پر عوامی حکومت کا تصرف ہو اور
خصوصاً کلیدی صنعتوں کو نجی ملکیت کی دسترس سے محفوظ رکھا
جائے۔ ان میں سے مواصلات (ریلوے ، تار ، ٹیلیفون اور ہائیڈرو
الیکٹرک (بجلی اور برقاب) تو پہلے ہی سرکاری قبضہ میں ہیں ۔
دوسری صنعتوں (خصوصاً لوہا، فولاد، کوئلہ، پٹرول، سمندری

جہاز وغیرہ) کو بھی قومیانے کے سوال پر غور کرنا چاہئے ۔
اس کے ساتھ ھی اراضی کی مالیت میں جو ''غیر اکتسابی اضافہ،،
(UNEARNED INCOME) ہو جاتا ہے (یعنی اس میں
زمیندار کی کوشش کا عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ عام ملکی ترقی
کا نتیجہ ہوتا ہے) وہ بھی حکومت کے تصرف میں آنا چاہئے ۔

۲ - اب تک جو منصوبہ بندی ہوئی ہے اس میں
منافع خوری کے لئے بڑی فیاضی سے گنجائش رکھی گئی ہے ۔
یہ سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ منصوبہ بندی کا اصول ''پیداوار برائے
منفعت،، نہیں بلکہ ''پیداوار برائے استعمال،، رکھا جائے تا کہ
عوام بھی اس سے مستفیض ہو سکیں ۔ منصوبہ بندی زیادہ تر
پرانے آئی سی ایس یا نئے سی ایس پی افسر کرتے رہے ہیں
جن کو لوٹ کھسوٹ کے عادی ممالک خصوصاً امریکہ
سے کسی ایک مضمون میں تھوڑی بہت ٹریننگ دلا کر
یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ منصوبہ بندی کے ماہر ہوگئے ہیں
حالانکہ ان کو عوامی ضروریات کا مطلق اندازہ نہیں ہوتا ۔
یہی وجہ ہے کہ اب تک جو تین منصوبے زیر عمل لائے گئے
ہیں ان میں سے ایک بھی اپنی حدوں کو نہیں چھو سکا ۔
پھر منصوبہ بندی میں زیادہ تر زور ''پیدا کاری،، پر لگایا جا رہا
ہے اور اس کا نشانہ بھی بسا اوقات خطا جاتا ہے ، جس کا نتیجہ
یہ ہوا ہے کہ ضروریات سے پیداوار ہمیشہ کم رہتی ہے اور

قیمتوں میں اضافہ رکنے میں نہیں آتا - ضرورت اس بات کی ہے کہ ''پیداکاری،، کے ساتھ ساتھ ''استعمال،، کے منصوبے (CONSUMPTION PLANNING) تیار کئے جائیں تاکہ مال کی بہم رسانی میں کمی واقع ہونے کی شکایت نہ ہو -

۳ - پاکستان میں جو ''معاشی ناہمواری،، پیدا ہوگئی ہے اسے ٹیکسوں کی شرح بڑھا کر دور کرنے کی کوشش جاری ہے - لیکن اب تک اس میں کامیابی نہیں ہو سکی جس کی وجہ ظاہر ہے، صنعت کار یا تاجر پر ٹیکس لگایا جائے تو وہ صارف یا گاہک کو منتقل کر دیتا ہے - اس لئے بات وہیں کی وہیں رہتی ہے - اب ''روشن خیال سرمایہ داری،، کی اصطلاح وضع کی گئی ہے جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک طرف سرمایہ دار کو زکوۃ، خیرات اور صدقہ کی تلقین کی جائے اور دوسری طرف مزدور کو ''اضافی استفادہ،، (FRINGE BENEFITS) (مثلاً اجرتوں کے اقل معیار، طبی امداد، بونس، آمد و رفت کے کرایہ اور ارزاں اشیاء کی دوکانوں وغیرہ) سے مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے - لیکن ظاہر ہے اس سے اصل مسئلہ حل نہیں ہوگا جو اس کے سوا کچھ نہیں کہ پاکستان میں معاشی اقتدار چند مخصوص ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گیا ہے جو معاشری عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی ہونے کے علاوہ خود حکومت کے لئے بھی کسی وقت باعث خطرہ بن سکتا ہے -

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ارتکاز دولت کے رجحانات کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھایا جائے -

کاروباری بددیانتی

پاکستان میں پیداوار اور تقسیم دولت کے ذرائع کو قومی ملکیت میں لینے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ ان پر معدودے چند نااہل اور ناقابل افراد کا تصرف ہے جن کے پیش نظر ذاتی منفعت کے سوا کچھ نہیں - یہی وجہ ہے کہ ان کو نہ تو ملک و قوم کی عزت کا پاس ہے نہ عوام کے مفاد کی پروا - ان کو خام مال اور مصنوعات کی پیداوار بڑھا کر برآمد میں اضافہ کرنے کے لئے بے شمار مراعات دی جا چکی ہیں جن میں ٹیکس سے معافی، کل پرزوں، مشینوں اور خام مال کی فیاضانہ درآمد، بنکوں کا قرض، برآمدی بونس، کرایوں کی تخفیف، برآمدی کارگزاری دکھانے پر خصوصی لائسنس، برآمدی ڈیوٹی پر رعایت، غیر ملکی درآمد سے تحفظ وغیرہ سب شامل ہیں - لیکن تجربہ شاہد ہے کہ صنعت کاروں اور تاجروں نے خود تو ان تمام رعائتوں سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا - لیکن ۲۲ برس ہونے کو آئے اس ''بخشش،، میں عوام کو اب تک شریک ہونے کا موقع نہیں ملا - ان کو بدستور گھٹیا مال مہنگے داموں خریدنا پڑتا ہے - عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان کے کارخانوں میں جو مشینیں اور آلات نصب ہیں یا جو خام صنعتی مال استعمال

ہوتا ہے ، اس میں اور غیر ملکوں کی مشینری اور خام مال
میں سر مو بھی فرق نہیں ۔ اس کے باوجود مصنوعات کی کوالٹی
اور قیمتوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر
اونی یا ریشمی کپڑے کی صنعت لے لیجئے ۔ کیا پاکستان کے
کارخانوں میں وہی مشینری نصب نہیں جو جاپان یا برطانیہ یا
مشرق یورپ کے ممالک میں ہے ۔ اس کے باوجود اگر معیار اور
قیمتوں میں اتنا فرق ہے تو اس کی وجہ نا اہلی اور نالائقی کے
سوا کیا ہو سکتی ہے ؟ یہی حال کاغذ کا ہے ۔ اگر سندربن کی
گیوا لکڑی سے سویڈن میں کاغذ تیار ہو تو اس میں شاید ہی
کوئی عیب نکلے ۔ لیکن پاکستان میں اتنے سال کے تجربوں اور
ماہرین کے مشوروں کے باوجود ابھی تک ایسا کاغذ تیار نہیں
ہو سکا جس کی سطح ہموار ہو اور چھپائی ٹھیک آ سکے ۔ پھر
قیمتوں میں جو فرق ہے وہ سب پر عیاں ہے ۔ درآمدی کاغذ
اب بھی مقامی کاغذ سے کہیں زیادہ ارزاں اور اعلیٰ ثابت
ہو سکتا ہے ۔

یہی حال دوسری مصنوعات کا ہے اور یہ کہنا مبالغہ
انگیزی نہیں کہ پاکستان اب تک ایک بھی چیز ایسی تیار
نہیں کر سکا جس کو غیر ممالک کی مصنوعات کے مقابلہ پر
رکھا جا سکے ۔ ابھی چند سہانے ہوئے پاکستان نے یورپ کے
بعض صنعتی میلوں میں اپنی دستکاری کے نمونے نمائش کے طور

پر رکھے ۔ لیکن برلین ، روم ، اور سٹاک ہام میں چند رومالوں
اور قالینوں کے سوا کچھ بھی فروخت نہ ہو سکا ۔ اخباری
اطلاعات کے مطابق تماشائیوں نے واہ واہ تو بہت کی ، لیکن یہ
تعریف کاروباری سانچے میں نہ ڈھل سکی ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ (سیال انڈسٹریز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری کے بقول)
لاکھوں روپے کا مال ملک میں واپس لانا پڑا ۔ انہوں نے یہ
بھی بتایا کہ جو تانبے اور پیتل کے برتن اور چاندی کے زیورات
نمائش میں رکھے گئے تھے وہ بھدے اور وزنی ہونے کے باعث
چین اور بھارت کا مقابلہ نہ کر سکے ۔ کھیلوں کے سامان کی
برآمد میں بے شک اضافہ ہو رہا ہے ۔ لیکن اکثر ممالک میں
یہ تاثر دور نہیں ہو سکا کہ پاکستان کے ریکٹ اور فٹ بال
بچوں کی لگائی ہوئی چوٹ بھی سہنے کے قابل نہیں ہیں ۔ پھر
شرق الاوسط ، روس ، افریقہ اور مشرق یورپ سے جو تجارتی وفود
پاکستان آتے رہتے ہیں ان کی تقریروں اور گفتگوؤں کا ایک
ہی موضوع ہوتا ہے کہ پاکستان کو ہماری منڈیوں کے
رجحانات کا مطالعہ کرنے کے علاوہ اپنی مصنوعات کا معیار بلند
کرنا چاہئے ۔ اسی پر بس نہیں تاجر اور صنعت کار اپنا مال
فروخت کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے بھی دریغ
نہیں کرتے ۔ ابتدا میں تو بوریوں اور کنستروں میں اینٹیں
اور مرے ہوئے کتے تک بھر کر برآمد کرنے سے دریغ نہیں

کیا گیا ۔ ملاوٹی اور ناقص مال کی شکایات اب تک آ رہی ہیں۔ چنانچہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ، چین نے شکایت کی تھی کہ اسے ملاوٹی روئی بھیجی گئی ہے ۔ اسی طرح شرق اردن سے شکایت آ چکی ہے جس پر خود صدر مملکت کو انتباہ جاری کرنا پڑا ۔ جہاں تک ملک کے اندر کھانے پینے اور پہننے کے علاوہ ادویہ سازی کا تعلق ہے ، ان میں ملاوٹ اور جعلسازی کی خبریں آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ حکومت نے تجارتی و صنعتی معیار قائم رکھنے کے علاوہ بے ایمانی اور بددیانتی کی روک تھام کے لئے قوانین بنا رکھے ہیں ۔ اس کے علاوہ پاکستان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری نے ''کاروباری اخلاق نامہ،، بھی تیار کیا تھا لیکن اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا اور نہ صرف عوام کو بلکہ خارجہ مبادلہ کی صورت میں پورے ملک کو بھاری نقصان پہنچ رہا ہے ۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان میں کاروباری بد دیانتی کو فروغ کیوں ہو رہا ہے ؟ اس کا ایک ہی سبب ہے کہ ملکی پیداوار اور بہم رسانی کے بیشتر حصہ پر چند ایسے خانوادے قابض ہو گئے ہیں جن کو ملک و قوم کے مفاد و وقار کی مطلق پروا نہیں ان کے پیش نظر نفع اندوزی کے سوا کچھ نہیں ۔ وہ دولت کے نشے میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ ان کو سود و زیاں کا احساس بھی نہیں رہا ۔ اس میں قصور سیاست کار

حکومتوں کے سوا کسی کا نہیں ۔ ابتدا میں اعلان کے باوجود نہ تو تجربہ دیکھا گیا نہ مالی حیثیت ۔ بلکہ ''اندھا بانٹے ریوڑیاں مڑ مڑ اپنوں کو دے،، کے اصول پر عمل کیا گیا ۔ صنعت و تجارت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو اس کے ابجد سے بھی ناواقف تھے ۔ اب اس کا علاج ''روشن خیال سرمایہ داری،، سے نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ تمام ذرائع پیداوار اور بہم رسانی کو قومی ملکیت میں لینا پڑے گا ۔ لیکن قومی ملکیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر کارخانے میں کسی سابقہ یا موجودہ افسر کو چیئرمین بنا کر بٹھا دیا جائے بلکہ اس غرض کے لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ مشرقی یورپ ، روس ، چین اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور وہ کس حد تک کامیاب ہے ؟ اشتراکی ممالک میں کارخانے سرکاری افسروں کی تحویل میں دینے کی بجائے ایک آزادانہ اور خود مختار سروس کے سپرد کئے جاتے ہیں جو ہر کارخانے میں ملازموں اور انتظامیہ کی مشترک کمیٹیاں مقرر کرتی ہیں اور تمام کاروبار انہی کے مشورہ و رائے سے چلایا جاتا ہے ۔ اشتراکی ممالک میں یہ تجربہ کامیاب رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہو ۔ قومی ملکیت کا یہ تصور اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے ۔ جتنا زور ''مالک و مزدور،، اور ''آجر و مستاجر،، کے اتحاد و تعاون پر اسلام نے دیا ہے ۔ اتنا

کسی ''ازم،، میں دکھائی نہیں دیتا ۔

مقبوضہ ملکیت کا معاوضہ

باقی رہا یہ سوال کہ جن صنعتوں اور تجارتوں کو قومی ملکیت میں لیا جائے گا ان کے بانیوں یا مالکوں کو معاوضہ دینا چاہئے یا نہیں ؟ اسلام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ الذین یکنزون الذھب والفضة ۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب مقدر ہے ۔ (نہ کہ معاوضہ) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تو اس وقت تک نماز بھی نہیں پڑھی جب تک سونے کی وہ ڈلی غربا میں تقسیم نہ کر دی جو کوئی شخص گھر میں دے گیا تھا ۔ اس کے علاوہ خلفائے راشدین کا مسلک یہی رہا ہے کہ جاگیریں اور بڑی جائدادیں بیت المال کے حق میں ضبط کر لیں اور کوئی معاوضہ نہیں دیا ۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رض نے مدینہ سے باہر ایک وسیع و عریض نجی قطعہ اراضی کو چراگاہ سے بدل دیا تھا ۔ (جس میں بیت المال کی کئی ہزار بھیڑ بکریاں چرا کرتی تھیں) اور اس کے مالک کو ایک حبہ بھی ادا نہیں کیا ۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو جاگیریں ضبط کیں ان کا کوئی معاوضہ نہیں دیا ۔ پاکستان میں اس اسوۂ حسنہ کے صریح خلاف بڑے بڑے زمینداروں کو زرعی اصلاحات کے نام پر معقول معاوضے دیئے گئے ۔ پھر ''غیر ممکن،، اور ''ناقابل کاشت،، زمین

کے بارے میں اجازت دے دی کہ اگر وہ ٢٦ ہزار پیداواری یونٹ سے کم ہو تو مزید زمین اپنے پاس رکھی جا سکتی ہے ۔ اس کے علاوہ ١٥٠ ایکڑ تک باغات میں تبدیل کئے جا سکتے ہیں ۔ اسی پر بس نہیں ۔ بڑے زمینداروں کو ١٨ ہزار پیداواری یونٹ اپنے کسی ایک یا سب وارثوں میں تقسیم کرنے اور ٦ ہزار پیداواری یونٹ اپنے خاندان کی زیر کفالت خواتین کو عطیہ کے طور پر دینے کی اجازت دے دی گئی ۔ اس کے ساتھ ہی ان بڑے زمینداروں کے لئے ٹریکٹروں ، کھادوں اور قرضوں کی سہولتوں کے تمام دروازے کھول دیئے گئے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جملہ اصلاحات کالعدم ہو کر رہ گئیں اور بڑے زمیندار پہلے سے بھی بڑے بن گئے ۔ اگر یہی تجربہ صنعت و تجارت میں بھی دہرایا گیا تو ظاہر ہے مقصد حل نہیں ہو سکے گا ۔

لہٰذا صحیح طریق یہی ہے کہ صنعت و تجارت کو قومی ملکیت میں لیتے وقت کوئی معاوضہ نہ دیا جائے اور اس کے لئے بعض ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل موجود ہیں ۔

١ ۔ دولت جن معدودے چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے ۔ انہوں نے اپنی گرہ سے کوئی سرمایہ نہیں لگایا ۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اپنی مالی حیثیت کے سرٹیفیکیٹ بنکوں سے لے کر اجازت نامے ، پرمٹ ، لائسنس اور ٹھیکے لئے

اور روپیہ کمانا شروع کر دیا ۔

۲ ۔ غیر ممالک سے مشینری ، مواد خام اور سرمایہ کی صورت میں جتنی اقتصادی امداد مہیا ہوئی وہ پاکستان کو ملی ، نہ کہ ۲۰ یا ۳۰ خانوادوں کو ۔

۳ ۔ حکومت پاکستان نے یہ امداد اپنے مالی اداروں یا بنکوں کے ذریعہ سے ''استعداد''، ''قابلیت'' اور ''تجربہ'' کی بناء پر تقسیم نہیں کی بلکہ سیاسی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا ۔ لہذا وہ کسی وقت بھی واپس لی جا سکتی ہے ۔

۴ ۔ بیس بائیس سال کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ صنعت کار اور تاجر امداد کے اہل ثابت نہیں ہوئے ۔ بلکہ ان کی وجہ سے عوام کو گھٹیا مال ، مہنگے داموں کی صورت میں ملا ۔ اور ملک کو خارجہ مبادلہ کے نقصان کی شکل میں ناقابل برداشت خسارہ اٹھانا پڑا ۔ لہذا اب ان کا کوئی استحقاق باقی نہیں رہتا ۔

۵ ۔ پاکستان میں جتنی اقتصادی اور معاشی ترقی ہوئی ہے وہ عوام کے بے پناہ جذبۂ ایثار و قربانی اور ان مراعات کی مرہون منت ہے جن کی بارش صنعتی و تجارتی طبقہ پر کی گئی ۔ مراعات سے چونکہ ملک کے اقتصادی بوجھ میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ (مثلاً روپے کی قیمت ہی چار آنے رہ گئی ہے) اور یوں بھی ان کا سلسلہ غیر معین مدت تک جاری نہیں رہ سکتا

اس لئے اب وقت آ گیا ہے کہ سب کی سب مراعات واپس لے لی جائیں ۔ ان مراعات میں ٹیکس سے چھٹی ۔ قرضوں کی سہولتیں ۔ برآمد پر بونس ۔ کارگزاری کے لائسنس ۔ تامینی محاصل اور برآمدی ڈیوٹی کی معافی وغیرہ سب شامل ہیں ۔ اگر یہ ۲۲ خانوادے ان مصنوعی سہاروں کے بغیر زندہ رہ سکیں تو ان کی اہلیت و قابلیت میں کسے شبہ ہوگا ! ورنہ ان کو یہ دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ محض پاکستان کی ترقی و بہبود کی خاطر اپنا ''تن من دھن'' لٹا رہے ہیں ۔

باب ۳

اجارہ شکنی

حکومت پاکستان نے ارتکاز زر اور اجارہ داری کے روز افزوں رجحانات کی روک تھام کے لئے جو مسودہ قانون رائے عامہ کے لئے مشتہر کیا تھا اُس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے وائس ایڈمرل احسن نے مرکزی میزانیہ کی تقریر میں کہا۔

"اگر معاشی قوت اسی طرح چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی گئی اور اس پر قابو پانے کی کوشش نہ کی گئی تو ایسی صورت رونما ہونے کا خطرہ ہے جس میں آزادانہ مقابلہ و مسابقہ کے لئے کوئی گنجائش نہ رہے گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ایسا ناکارہ معاشی نظام معرض وجود میں آ جائے گا جو اجارہ داری کی تمام تر خصوصیات کا حامل ہوگا اور نہ

صرف صارفین پر ناروا بوجھ ثابت ہوگا بلکہ چھوٹے چھوٹے کاروبار کے مفاد کے بھی منافی ہوگا۔

حکومت کے اس زاویۂ نگاہ سے بجا طور پر یہ توقع پیدا ہوگئی تھی کہ ۲۲ خانوادوں کا اثر و رسوخ ختم کرنے کے لئے اب صنعت و تجارت، محصول بندی اور قرض کی تمام سابقہ حکمت عملیوں کو منقلب کر دیا جائے گا اور ایک ایسے معاشی نظام کی بنیادیں استوار کی جائیں گی جس میں عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کی گنجائش موجود ہو۔ لیکن بد قسمتی سے جو مسودۂ قانون تیار کیا گیا ہے اس میں بھارتی اور برطانوی قوانین کا عکس جھلملا رہا ہے۔ اس لئے نہ صرف تشنہ اور نامکمل ہے بلکہ پاکستان کے حالات پر منطبق بھی نہیں ہوتا۔ یوں تو اجارہ شکن قوانین وضع کرنے کی تجویز ۱۹۶۰ء سے حکومت کے زیر غور رہی ہے۔ لیکن سابق صدر ایوب اور اُن کے وزیر خزانہ مسٹر محمد شعیب کی دوغلہ پالیسیوں کے باعث اُسے اب تک جامۂ عمل پہنایا نہیں جا سکا تھا۔ صدر ایوب نے مشترک سرمایہ کی کمپنیوں کے قوانین پر نظر ثانی کے لئے ایک "قانون کمشن" بٹھایا تھا جس کی سفارشات اب تک خفیہ رکھی گئی ہیں (اپریل ۱۹۷۲ء میں حکومت نے اس کی جلد اشاعت کا وعدہ کیا تھا)۔ تاہم ستمبر ۱۹۶۳ء میں مسٹر شعیب نے ایک "مطالعہ گروپ" یہ دیکھنے کے لئے مقرر کیا

که آیا پاکستان میں احتکار و اکتناز کا رجحان فی‌الواقع موجود ہے ؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس کی رفتار کیا ہے ؟ پھر اس کے ذمے یہ معلوم کرنا بھی تھا کہ آیا پاکستان میں فی‌الواقع ایسے ٹرسٹ ، کارٹلز اور کاروباری رواج پائے جاتے ہیں جو مقابلہ و مسابقہ کی روح کو فنا کر رہے ہوں اور اجارہ داری کا رجحان تقویت پکڑ رہا ہو ۔ مطالعہ گروپ کو ہدایت کی گئی کہ اس سلسلہ میں وہ تمام ضروری اعداد و شمار فراہم کرے ۔

اس اعلان کے بعد مسٹر شعیب نے کئی مرتبہ یہ اعتراف کیا کہ پاکستان میں اجارہ داری کے رجحانات بڑی سرعت سے ترقی پا رہے ہیں جن کو ختم کرنے کا وقت آ پہنچا ہے لیکن اس سلسلہ میں ۱۹۶۵ء تک کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔ ۱۹۶۵ء میں مسٹر شعیب نے کہا کہ حکومت نہ تو بڑے صنعت کاروں کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ، نہ ان کو ملک کی صنعتی ترقی میں حصہ لینے سے باز رکھ سکتی ہے ۔ بایں ہمہ حکومت چاہتی ہے کہ چھوٹا طبقہ پارچہ بافی ، قند سازی ، اور سیمنٹ وغیرہ کی آسان پیداوار میں حصہ لے اور بڑے صنعت کار بڑی بڑی مشینیں تیار کریں کیونکہ ”پیدا کاری کے آلات“ بنانے کے لئے وافر سرمایہ اور طویل مدت درکار ہے ۔ لیکن اس تجویز پر بھی عمل نہ ہوا اور اس دوران میں کچھ اور اجارے قائم ہو گئے اور خانوادوں کی تعداد برابر بڑھتی گئی آخر دسمبر ۱۹۶۹ء

میں حکومت نے ایک آرڈی ننس نافذ کیا جس کا عنوان تھا — ”اجارے اور تجارتی بدعنوانی — انسداد و امتناع“ ۔

نیا آرڈی ننس

اس قانون کے تحت جو ”حاکم مجاز“ (اتھارٹی) مقرر کیا گیا اس کے دو کام تھے ۔ عمومی اور خصوصی ۔ عمومی کام یہ تھا کہ ملک کے عام معاشی حالات کا جائزہ لے کر یہ دیکھا جائے کہ ارتکاز دولت کہاں کہاں ہوا ہے اور تجارتی بد دیانتی سے کون کام لے رہا ہے ؟ خصوصی کام یہ تھا کہ جو ادارے یا افراد مشکوک نظر آئیں ان کے خلاف تحقیقات کی جائے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے مناسب احکام صادر کئے جائیں ۔

حاکم مجاز کو بعض نوع کے اداروں اور افراد کی رجسٹریشن کے فرائض بھی ادا کرنا تھے ۔ جن اداروں کو اپنے نام رجسٹر میں درج کرانا پڑے وہ حسب ذیل ہیں ۔

۱ ۔ وہ ادارہ جو اپنے شرکائے کار سمیت کسی پیداوار یا خدمت کی بہم رسانی کی کم سے کم ایک تہائی پر اختیار رکھتا ہو ۔

۲ ۔ وہ نجی ادارہ (پبلک لمیٹڈ کمپنیوں کو چھوڑ کر) جس کا مجموعی اثاثہ ایک کروڑ روپیہ یا اس سے زائد ہو ۔

۳ ۔ ایسی کمپنی جس کا اثاثہ پانچ کروڑ روپیہ یا اس سے زائد ہو اور وہ خود یا کسی ذیلی ادارے کے ذریعے اپنا مال

تھوک، یا خوردہ فروخت کرے۔

۴ - ایسا ادارہ جس کی مصنوعات یا مال کی قیمت حکومت مقرر کرے۔ اسی طرح ذیل کے افراد کے لئے بھی رجسٹریشن لازمی ہوگی۔

(الف) وہ فرد جو کسی ایسی کمپنی کے حصص کی اکثریت کا مالک ہو یا اس پر دسترس اور اختیار رکھتا ہو جو بیمہ یا بنکاری یا سرکاری کی نوعیت کا کاروبار کرتی ہو یا اس پر دسترس اور اختیار رکھتی ہو۔

(ب) وہ فرد جو کسی ایسے عوامی ادارے (پبلک لمیٹڈ کمپنی) کے حصص کی اکثریت کا مالک ہو جس کے مجموعی اثاثہ کی مالیت پانچ کروڑ روپیہ یا زائد ہو۔

(ج) وہ فرد جس کے بیشتر مفاد کسی ایسے ادارے سے وابستہ ہوں جس کے اثاثہ کی مالیت پانچ کروڑ روپیہ یا زائد ہو یا ادارہ کسی ایسی کمپنی کا مالک و مختار ہو جو اسی کے تیار کئے ہوئے مال کی تقسیم و فروخت کرتی ہو۔

حاکم مجاز ایسے اداروں یا افراد کی تحقیقات کے بعد ذیل کی کوئی بھی کارروائی کر سکے گا۔

۱ - کسی بھی شخص کو کمپنی کے حصص سے محروم کر دے۔

۲ - کسی بھی شخص کو کسی عہدے سے الگ

کر دے۔

۳ - کسی کو بھی ادارے دوسرے میں مدغم ہونے سے روک دے۔

۴ - کسی بھی ادارے یا فرد کو کسی بھی کمپنی میں اپنا مفاد برقرار رکھنے سے منع کر دے۔

۵ - کسی بھی نجی ادارے کو مجبور کر دے کہ وہ پبلک کمپنی کی صورت اختیار کرے۔

۶ - کسی بھی مال یا پیداوار کی فروخت پر شرائط عائد کر دے۔

۷ - کسی بھی بنک، بیمہ کمپنی یا سرمایہ کار ادارہ کے لئے یہ ضروری قرار دے دے کہ وہ بعض شرائط کی پابندی کرے۔

۸ - کسی بھی فرد کو مجبور کر دے کہ وہ اپنا کاروبار یا معاہدہ کالعدم کر دے یا اس میں رد و بدل کرے۔

پہلی نظر میں تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مسودۂ قانون کے ذریعہ سے صنعتی و تجارتی گٹھ جوڑ کو توڑنے اور کاروبار کو دیانت و صیانت کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ایک ایک شق کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مجوزہ قانون کی بنیاد افراد اور اداروں پر رکھی گئی ہے اور یہ مطلق خیال نہیں رکھا گیا کہ اس ملک کا سب سے

بڑا مسئلہ ۲۲ خانوادوں میں غیر معمولی ارتکاز دولت ہے
جس کو پاش پاش کئے بغیر کوئی بھی عادلانہ معاشی نظام
معرض وجود میں نہیں آ سکتا ۔ بعض دفعات کے تحت مینیجنگ
ایجنسیوں کو گرفت میں لانے کی کوشش بے شک کی گئی ہے
لیکن قانون کا مسودہ تیار کرنے والے نے یہ غور نہیں کیا کہ
ایک ایک خانوادے نے کئی کئی مینجنگ ایجنسیاں قائم کر
رکھی ہیں اس لئے اگر کسی ادارے یا فرد کو ایک مینجنگ
ایجنسی میں اپنے مفاد برقرار رکھنے سے روک دیا گیا تو اس
بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ دوسری مینجنگ ایجنسی نہ قائم
کرے گا یا اپنے مفاد کسی اور مینجنگ ایجنسی میں منتقل نہ
کرے گا ۔ خانوادۂ داؤد کی مثال ہی لیجئے ۔ جس نے کم سے کم
چودہ ادارے کھول رکھے ہیں اور ہر ایک کے مینیجنگ ایجنٹ
جدا جدا ہیں ۔ داؤد کاٹن ملز کے مینجنگ ایجنٹ داؤد سنٹر اور
داؤد انڈسٹریز دونوں ہیں ۔ ادھر داؤد انڈسٹریز بوریوالہ
ٹیکسٹائل ملز کی مینیجنگ ایجنٹ ہے ۔ اسی طرح لارنس پور
وولن ملز کے مینیجنگ ایجنٹس داؤد انڈسٹریز اور داؤد سنٹر
دونوں ہیں ، یہی مینیجنگ ایجنٹس کرنافلی پیپر ملز کے ہیں ۔
یہی حال کرنافلی ریان ملز کا ہے ۔ اس کے مینجنگ ایجنٹس
داؤد انڈسٹریز اور داؤد سنٹر ہیں ۔ داؤد نے داؤد ہرکولیز
کیمیکلز ، داؤد پٹرولیم ، داؤد مائنز ، سنٹرل انشورنس کمپنی

اور میمن کواپریٹو بنک وغیرہ بھی قائم کر رکھے ہیں جن کا
کاروبار مننیجنگ ایجنٹوں کے سپرد ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب
تک مینیجنگ ایجنسیاں نہ توڑی جائیں اور یہ پابندی نہ لگا
دی جائے کہ کوئی خانوادہ ایک سے زائد کاروبار نہیں کر سکتا
اس وقت تک معاشی اقتدار ختم کس طرح کیا جا سکے گا ؟

مینیجنگ ایجنٹ

پار سال قومی اسمبلی نے کمپنیز ایکٹ (۱۹۱۳ء) میں
ترمیم کے لئے ایک صدارتی آرڈی ننس کی منظوری دی تھی
جس کی رو سے حکومت کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ کسی بھی
پبلک لمیٹڈ کمپنی کے مینجنگ ایجنٹ کے خلاف تحقیقات
کر سکتی ہے اور اگر وہ جعلسازی ، دھوکے یا دجل کا مرتکب
پایا جائے تو اسے برخاست کر دیا جائے ۔ اس سے قبل
۱۹۶۳-۶۴ء کے بجٹ میں حکومت نے پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیوں
کو اس بات پر مجبور کرنے کے لئے کہ وہ پبلک لمیٹڈ کمپنیاں
بن جائیں ان پر بعض ایسے ٹیکس بھی عائد کئے تھے (مثلاً
عطیہ ٹیکس ۔ اضافی سرمایہ ٹیکس اور دولت ٹیکس وغیرہ)
اس پر بس نہیں حکومت نے انکم ٹیکس کی دفعہ ۲۳ الف میں
ترمیم کر کے پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیوں پر محاصل کا بار بہت
بڑھا دیا تاکہ وہ پبلک لمیٹڈ کمپنیوں کی صورت اختیار کرنے
پر مجبور ہو جائیں ۔ اس وقت کاروبار کا عام طریقہ یہ تھا کہ

بڑے بڑے خانوادے پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی بناتے تاکہ عوام کو اُس کے منافع میں شریک ہونے کا موقع ہی نہ ملے ۔ اگر بعض صورتوں میں اُن کو پبلک لمیٹڈ کمپنی بنانی پڑتی تو ۸۰ فیصد حصص خود خرید کر مینیجنگ ایجنٹ بن جاتے ، باقی بیس فیصد حصص دلالوں ، گماشتوں اور حصص کے بیوپاریوں میں بانٹ دیئے جاتے تھے ۔ اس طرح یہ کمپنی نام کی ''عوامی،، ہوتی اور جن لوگوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر اس میں سرمایہ لگایا ہوتا ہے اُن کو نہ تو ووٹ دینے کا حق ہوتا نہ اندرون خانہ کے اسرار سے آگاہی ہوتی ۔ انکم ٹیکس کی دفعہ ۲۳ الف کے تحت یہ حکم دیا گیا کہ لمیٹڈ کمپنیوں کا کم سے کم نصف سرمایہ عوام کو فروخت کیا جائے اور باقی کمپنی بنانے والے یا ڈائرکٹر یا منیجنگ ایجنٹ بے شک خود اپنے پاس رکھیں ۔ لمیٹڈ کمپنی کی اس نئی تعریف نے کاروبار میں ایک انقلاب برپا کر دیا جس کے نتیجہ میں وہ تمام خانوادے جنہوں نے پرائیویٹ کمپنیاں بنا رکھی تھیں اپنے حصص کھلے بازار میں فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے اس اقدام کو ناکام بنانے کے لئے مختلف حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے ۔ مثلاً پہلے تو خود ہی اپنے کاروبار کو جان بوجھ کر خراب کیا تاکہ منافع کم ہو اور حصص کی قیمت گر جائے ۔ اس کے بعد یہ مشہور کر دیا کہ

اس ملک میں چند خانوادوں کے سوا روپیہ لگانے والا کوئی نہیں اس لئے کاروبار ٹھپ پڑا ہے ، اس سے چونکہ بازار حصص غیر معمولی کساد بازاری کا شکار ہو گیا اور صنعت و تجارت متاثر ہوئے بغیر نہ رہی اس لئے حکومت نے مجبوراً اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی اور ٹیکس وغیرہ کے معاملہ میں کچھ مراعات دے دیں ۔ تاہم یہ توقع ظاہر کی کہ پرائیویٹ ادارے اپنے آپ کو جلد سے جلد عوامی اداروں سے بدل دیں گے ۔

ان مراعات سے مینیجنگ ایجنٹوں کو کچھ ڈھیل تو مل گئی لیکن وہ اس اُمید پر اپنے موقف پر ڈٹے رہے کہ بازار حصص میں سرد بازاری طویل ہوتی گئی تو حکومت خود بخود اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جائے گی ۔ اتنے میں حکومت نے اسی غرض کے لئے جو کمپنی لا کمشن مقرر کر رکھا تھا اُس نے بھی سفارش کر دی کہ پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیوں میں تو ''مینیجنگ ایجنسی سسٹم،، کو فوراً ختم کر دیا جائے ۔ لیکن پبلک لمیٹڈ کمپنیوں کو کچھ مہلت دے دی جائے اور وہ درجہ بدرجہ اس سسٹم کو کالعدم کریں ۔ لا کمشن نے یہ بھی سفارش کی کہ عبوری دور میں تمام کاروباری کمپنیوں پر کڑی نگرانی رکھی جائے ۔ کیونکہ ان میں سے بعض جان بوجھ کر اپنا کاروبار خراب کر رہی ہیں تاکہ جن لوگوں نے یہ سرمایہ لگایا ہے اُن میں منافع تقسیم نہ کرنا پڑے ۔ اس پر

اس زمانے کے وزرائے مالیات نے یکے بعد دیگرے تمام نادھند
کمپنیوں کو تنبیہ کی ۔ کہ اگر انہوں نے اپنے کاروباری معاملات
نہ سدھارے اور حصہ داروں میں منافع تقسیم نہ کیا تو اُن کے
خلاف کارروائی کی جائے گی ۔ یہ انتباہ موثر ثابت ہوا اور بہت
سی کمپنیوں نے منافع تقسیم کرنا شروع کر دیا جس سے بازار
حصص میں بھی اعتماد بحال ہو گیا ۔ لیکن جہاں تک مینیجنگ
ایجنسیوں کا تعلق ہے وہ بدستور قوت پکڑتی رہیں اور
ارتکاز زر کا سہارا بنتی رہیں ۔ لہذا ضرورت اس بات کی تھی
کہ مجوزہ آرڈی ننس کو موثر اور ہمہ گیر بنایا جائے تاکہ
۲۲ خانوادوں کے لئے آپس میں گٹھ جوڑ اور ملی بھگت
کے لئے گنجائش ہی باقی نہ رہے ۔

مجموعی اثاثہ

دوسری بات یہ ہے کہ بھارت کے قانون کی تقلید میں
رجسٹریشن کے لئے یہاں بھی اثاثہ کی مالیت نجی ادارے کے لئے
ایک کروڑ روپیہ اور عوامی ادارے کے لئے پانچ کروڑ روپیہ
رکھی گئی ہے ۔ جو پاکستان کے بازار کی گیرائی و گہرائی سے
مطابقت نہیں رکھتی ۔ پاکستان کا بازار نہ صرف محدود ہے بلکہ
مشرقی اور مغربی دو اکناف پر تقسیم ہے اس لئے یہاں پرائیویٹ
ادارہ کا اثاثہ دس لاکھ اور عوامی ادارہ کا اثاثہ پچاس لاکھ
بھی ہو تو اسے اجارہ داری کے قانون کے تحت رجسٹر کر لینا

قرین انصاف ہے ۔ اس طرح وہی پیدا کار نفع اندوزی کا مرتکب
نہیں ہوتا جو اپنا مال بھی خود تقسیم کرے ۔ بلکہ نفع اندوزی
کا آغاز کارخانے کے دروازے پر بھی ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ
سٹاک ایکس چینج میں کاروبار کرنے والے اداروں کے حساب کتاب
کے گوشواروں کا تجزیہ کر کے بتایا جا چکا ہے کہ ان میں سے
بعض کے منافع کی شرح ۴۰ فیصد سے ۴۰۰ فیصد تک ہے ۔
ظاہر ہے وہ جس کسی کو بھی اپنا تقسیم کار مقرر کریں گے
وہ اس میں اضافہ کرے گا اور انجام کار بوجھ صارف کو اٹھانا
پڑے گا ۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ قیمتوں پر کنٹرول
کے لئے یہ ضروری قرار نہ دیا جائے کہ وہ ایک تہائی بہم رسانی
پر قابض ہو یا ذیلی ادارے کے ذریعے مال تقسیم کرتا ہو بلکہ
ہر ادارے اور کارخانے کے مال کی قیمتوں کا محاسبہ اسی جگہ
ہونا چاہئے جہاں وہ تیار ہوتا ہے ۔ پھر کسی فرد یا کمپنی
کو اجارہ دار ثابت کرنے کے لئے اس کا اپنا اثاثہ اور ابتدائی
سرمایہ دیکھنا کافی نہیں ۔ اکثر حالات میں افراد یا ادارے صرف
"مالی حیثیت" کے سرٹیفکیٹ دکھا کر بینک اور اے ڈی بی
وغیرہ سے بڑے بڑے قرض لے لیتے ہیں (چنانچہ حال ہی میں
داؤد کو کاغذ کی فیکٹری میں توسیع کے لئے یو این کے ایک
مالیاتی ادارے نے تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ دیا ہے) ظاہر ہے

اس قسم کے افراد یا ادارے اپنے آپ کو "مقروض" ظاہر
کر کے اجارہ داری کی تعریف سے صاف بچ نکلیں گے
اور مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ پھر مشاہدہ سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اکثر اداروں اور افراد نے انکم ٹیکس سے بچنے
کے لئے اپنے سرمایہ کو مختلف اصلی یا فرضی ناموں سے منسوب
کر رکھا ہے۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی یہ تسلیم کرنے
کو تیار نہیں ہوگا کہ اس کے کسی کمپنی یا ادارے کے حصص
کی اکثریت پر قبضہ ہے۔

نئے ٹرسٹ یونٹ

لطیفہ یہ ہے کہ ایک طرف تو حکومت نے اجارہ داری
کو ختم کرنے کے عزم کا اعلان کیا دوسری طرف وزیر مالیات
نے صاف الفاظ میں کہا کہ حکومت کا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے
کہ موجودہ نظام میں بنیادی تبدیلی کی جائے۔ وہ زیادہ سے
زیادہ اس میں "روشن خیالی" کے عناصر داخل کرے گی۔
ان میں سے ایک عنصر انھوں نے یہ بتایا کہ نیشنل انوسٹ منٹ
ٹرسٹ (این، آئی، ٹی) کی طرح عام کمپنیوں کو بھی یہ اجازت
دے دی جائے گی کہ وہ این آئی ٹی کے یونٹ جاری کریں۔
جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ پہلے تو ایک ٹرسٹ کے
کروڑوں روپے کے سرمایہ سے وہی ادارے مستفیض ہوتے تھے

جن کے نمائندے اس کی نظامت میں شامل ہیں۔ اب ہر کمپنی
اپنا اپنا ٹرسٹ قائم کر کے عوام کی پونجی سمیٹ کر لے جائے
گی۔ ظاہر ہے یہ اجارہ داری کی طرف ایک بڑا قدم تھا جس پر
شاید آرڈی ننس وضع کرنے والوں نے غور نہ کیا۔

باب ۴

صنعتی ملوکیت پر عوامی ضرب

اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ ایک طویل مقالہ کی صورت میں تھا جو اگست ۱۹۶۹ء میں ''امروز،، اور ''نصرت،، کے خاص نمبروں میں شائع ہوا۔ وہاں سے ملک کے کئی سربرآوردہ روزناموں اور رسائل و جرائد میں نقل ہوا ظہیرالدین کمیٹی یا کریڈٹ انکوائری کمشن نے یہ تو بتایا تھا کہ ملکی دولت معدودے چند ۲۰-۲۲ خاندانوں کے ہاتھ میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن اس مقالہ کے ذریعہ سے چونکہ پہلی مرتبہ ان خانوادوں کی پہچان کرائی گئی تھی اس لئے قدرتی طور پر تمام نگاہیں ان افراد کو گھورنے لگیں جنہوں نے پورے ملک کی دولت و ثروت کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء میں جب پیپلز پارٹی

برسراقتدار آئی تو سب سے پہلے اسی مطالبہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی۔

۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو حکومت نے ایک ''حکمنامہ معاشی اصلاحات،، جاری کیا جس کے تحت بیس صنعتی اداروں کا انتظام و انصرام حکومت نے سنبھال لیا۔ ان میں سے ۱۳ ادارے بازار حصص کی فہرست میں شامل تھے۔ اس کے بعد ۱۶ جنوری ۱۹۷۲ء کو ۱۱ مزید صنعتی کارخانے سرکاری تحویل میں لئے گئے اور اس کے ساتھ ھی ''مینیجنگ ایجنسی سسٹم،، پر بھی خط تنسیخ کھینچ دیا گیا۔ چند دن بعد ایک اور کارخانہ بھی (جو برق قوت پیدا اور تقسیم کرتا تھا) سرکاری قبضے میں لے لیا گیا۔ اس طرح مجموعی طور پر ۳۲ کارخانوں پر حکومت کا تصرف ہو گیا۔ جن کو چلانے کے لئے حکومت نے ''صنعتی انتظامیہ،، کا بورڈ مقرر کیا۔

حکمنامہ معاشی اصلاحات

یہ کارروائی جس حکمنامہ کے تحت عمل میں آئی وہ ''حکمنامہ معاشی اصلاحات ۱۹۷۲ء،، کہلاتا ہے۔ اس کا ترجمہ درج ہے۔

چونکہ معاشی ترقی اور صنعت کاری کے فوائد چند مراعات یافتہ افراد کے ھاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گئے ھیں جس کا خمیازہ عوام کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔

اور چونکہ اسلام دولت اور معاشی اقتدار کی منصفانہ تقسیم کا حکم دیتا ہے اور اُن کا چند ہاتھوں میں ارتکاز ناپسند کرتا ہے۔

اور چونکہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک کی دولت اور معاشی وسائل کے انتفاع سے عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

اور چونکہ وہ لوگ جو ذرائع پیداوار پر قابض ہیں اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے عوام کے سامنے جوابدہ ہیں۔

اور چونکہ چھوٹے سرمایہ کاروں کے مفاد کا تحفظ ضروری ہے۔

اور چونکہ اس مقصد کے لئے اُن وعدوں کا ایفا ضروری ہے جو قیام پاکستان سے اب تک عوام سے برابر کئے جا رہے ہیں۔

اس لئے اب ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کے اعلان کو ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کے اعلان اور عارضی حکمنامۂ آئین سے ملا کر پڑھنے کے بعد اس سلسلہ میں اپنے تمام تر اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ذیل کا حکمنامہ جاری کرتے ہیں۔

۱۔ اس حکمنامہ کو ''حکمنامہ معاشی اصلاحات ۱۹۷۲ء'' کہا جائے گا۔

۲۔ اس کا دائرۂ کار پورے پاکستان کو محیط ہوگا۔

۳۔ اس کا نفاذ فوری طور پر عمل میں آئے گا۔

اس حکمنامہ میں (بشرطیکہ وہ کسی اور عنوان موضوع یا متن سے متصادم نہ ہوں) الفاظ اور مصطلحات کے معنی حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) ''ادارے'' کے معنی ہر وہ کاروبار ہے جو جدول میں متذکرہ کسی بھی نوعیت کا ہو اور اس میں دفتر، دکان، فیکٹری، گوڈاؤن، یارڈ، سٹاک اور سٹور سب شامل ہیں۔

(ب) ''مینیجنگ ڈائرکٹر'' کے معنی کسی ادارے کا ہر وہ مینیجنگ ڈائرکٹر ہے جو آرٹیکل نمبر ۴ کے تحت مقرر کیا گیا ہو۔

(ج) اس حکمنامہ میں جن الفاظ اور فقروں کی تعریف نہیں کی گئی اُن کے معنی وہی ہوں گے جو کمپنیز ایکٹ ۱۹۱۳ء میں کئے جاتے ہیں۔

عارضی حکمنامہ آئین یا کسی اور قانون یا معاہدے یا ٹھیکے یا میمورنڈم آف آرٹیکلز میں خواہ کچھ لکھا ہو یہ حکمنامہ بہر صورت حاوی رہے گا۔

حکومت اگر ضروری سمجھے تو مفاد عامہ کے پیش نظر کسی بھی ادارے کو چلانے کے لئے مینیجنگ ڈائرکٹر مقرر کر سکتی ہے۔

مینیجنگ ڈائرکٹر کے تقرر کے بعد ادارے کا پورا نظم و نسق اُسی کے سپرد ہوگا اور اگر اس سے پہلے کوئی اور شخص اسی قسم کے اختیارات استعمال کرتا تھا تو اُس کے یہ اختیارات ساقط العمل ہو جائیں گے ۔

مینیجنگ ڈائرکٹر اپنے عہدے پر اُس وقت تک متمکن رہے گا جب تک حکومت چاہے گی اور وہ حکومت کے تمام احکام اور ہدایات کا پابند رہے گا ۔

مینیجنگ ڈائرکٹر کے تقرر کے بعد حکومت ادارے کے بورڈ آف ڈائرکٹرز ، مینیجنگ ایجنٹ یا کسی بھی ڈائرکٹر اور افسر کو برخاست کر سکتی ہے ۔ خواہ وہ کسی بھی عہدے یا اختیارات کا حامل ہو ۔

مینیجنگ ڈائرکٹر کسی بھی ڈائرکٹر یا افسر کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ کسی بھی معقول شرط کے تحت ادارے سے متعلق کوئی بھی فرض سر انجام دے ۔

اس قانون کے تحت جو مینیجنگ ڈائرکٹر مقرر کیا جائے گا ۔ وہ کمپنی یا ادارے کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے تمام فرائض سرانجام دے گا ۔ اگر ادارہ کسی فرم یا فرد واحد کا ہے تو مینیجنگ ڈائرکٹر اُس فرم یا فرد واحد کے فرائض سرانجام دے گا ۔ اگر ادارے کا کوئی منیجنگ ایجنٹ ہو تو وہ بورڈ آف ڈائرکٹرز کے فرائض سرانجام دے گا ۔

اس حکمنامہ کے تحت کوئی آسامی ختم کی جائے یا کوئی معاہدہ منسوخ کیا جائے تو اُس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا ۔

تا ہم حکومت کو یہ اختیار رہے گا کہ وہ ایسے مصارف ادا کرے جن کی ذمہ داری مینیجنگ ڈائرکٹر کے تقرر سے پہلے ادارے کے کسی افسر نے جائز طور پر قبول کی ہو ۔

مینیجنگ ڈائرکٹر کے تقرر سے پہلے جو لوگ کسی ادارے میں ملازم ہوں وہ سابقہ شرائط پر بدستور کام کرتے رہیں گے ۔

کوئی شخص مرکزی حکومت سے اختیار لئے بغیر مینیجنگ ڈائرکٹر کو ادائے فرض سے نہیں روک سکے گا ۔

کوئی عدالت (سپریم اور ہائی کورٹ سمیت) اس حکمنامہ کی کسی شق کو زیر بحث نہیں لا سکتی ۔

کوئی عدالت (سپریم اور ہائی کورٹ سمیت) اس حکمنامہ کے سلسلہ میں حکم امتناعی جاری نہیں کر سکتی ۔

اس حکمنامہ کے تحت حکومت یا مینیجنگ ڈائرکٹر یا کوئی اور افسر کوئی کارروائی کرے تو اُس کے خلاف مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا ۔

اس حکمنامہ کے تحت کوئی بھی اختیار صوبائی حکومتوں کو دیا جا سکتا ہے ۔

اس حکمنامہ کا اطلاق اُن معاہدات پر نہیں ہوگا جو

مرکزی حکومت یا ممالک غیر کے کسی سرمایہ کار یا قرض خواہ
ہو چکے ہوں ۔

حکومت اس حکمنامہ پر عمل کرنے کے لئے کوئی بھی
قانون یا قاعدہ بنا سکتی ہے ۔ ان قواعد کے تحت :-

(الف) ادارے کی جائداد کے تحفظ کی ضمانت دی جائے گی ۔
(ب) کسی ایسے فعل کی اجازت نہیں دی جائے گی جس سے
ادارے کے کام میں رکاٹ ہو ۔ (ج) ادارے کی تمام جائداد
اور اثاثے کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے جو اقدامات ضروری
ہوں وہ عمل میں لائے جائیں گے ۔ (د) کسی ایسے شخص
کو موقع چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی جو
ادارے کے کسی نظم و نسق سے متعلق ہو ۔ (ر) ادارے کے
کسی بھی ذیلی ادارے یا کمپنی یا فرم کو سرکاری تحویل میں
لیا جا سکے گا ۔ (س) ادارے کی کسی بھی منتقلہ یا غیر منتقلہ
جائداد پر قبضہ کیا جا سکتا ہے ۔ (ص) کسی بھی شخص کو
ادارے کے احاطہ میں داخل ہونے سے منع کیا جا سکے گا ۔

اس حکمنامہ کے تحت جو قوانین بنائے جائیں گے ان میں
خلاف ورزی کی سزا بھی مقرر کی جا سکتی ہے ۔ یہ سزا
دو سال کی قید یا دس لاکھ روپیہ جرمانہ یا دونوں تک وسیع
ہو سکتی ہے ۔

اگر اس حکمنامہ کی شق پر عمل کرنا دشوار نظر آئے تو

حکومت کوئی بھی قاعدہ یا قانون وضع کر سکتی ہے البتہ یہ
اختیار اس حکمنامہ کے نفاذ کے ایک سال بعد ختم ہو جائے گا ۔

دس بنیادی صنعتیں

اس حکمنامہ میں ایک جدول بھی شامل ہے جس میں ان
صنعتوں کی نوعیت بتائی گئی ہے ۔ جن کو سرکاری تحویل میں
لیا گیا ۔ جدول یہ ہے ۔

۱ ۔ لوہے اور فولاد کی صنعتیں
۲ ۔ بنیادی دھات کی صنعتیں
۳ ۔ بھاری انجینئرنگ کی صنعتیں
۴ ۔ بھاری بجلی کی صنعتیں
۵ ۔ موٹر کاروں کے پرزے بنانے اور جوڑنے کی صنعتیں
۶ ۔ ٹریکٹروں اور ان کے پرزے بنانے اور جوڑنے کے
کارخانے ۔
۷ ۔ بھاری اور بنیادی کیمیاوی صنعتیں
۸ ۔ پیٹرو کیمیکل صنعتیں
۹ ۔ سیمنٹ سازی کی صنعت
۱۰ ۔ مفاد عامہ کی صنعتیں مثلاً (الف) بجلی کی پیداوار اور
تقسیم ۔ (ب) گیس اور (ج) تیل صاف کرنے کے کارخانے ۔

اس حکمنامہ کے تحت ۲ جنوری کو بیس صنعتی اداروں
کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے ۔

١ - سٹیل کارپوریشن آف پاکستان لمیٹڈ کراچی
٢ - حبی سنز سٹیل ملز لمیٹڈ کراچی
٣ - علی آٹو موبائلز لمیٹڈ کراچی
٤ - وزیر علی انجینئرنگ لمیٹڈ کراچی
٥ - گندھارا انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
٦ - ہارون انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
٧ - کنڈا والا انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
٨ - آرو کے کمیکلز لمیٹڈ کراچی
٩ - انڈس کیمیکل اینڈ الکلیز لمیٹڈ کراچی
١٠ - ولیکا کیمیکل انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
١١ - ولیکا سیمنٹ لمیٹڈ کراچی
١٢ - بیکو انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
١٣ - ایم کے فونڈریز اینڈ ورکشاپ لمیٹڈ لاہور
١٤ - اتفاق فونڈریز اینڈ ورکشاپ لمیٹڈ لاہور
١٥ - رانا ٹریکٹر اینڈ ایکوپ منٹ لمیٹڈ لاہور
١٦ - یونائیٹڈ کیمیکل لمیٹڈ کالا شاہ کاکو لاہور
١٧ - کوہ نور ریان لمیٹڈ کالا شاہ کاکو لاہور
١٨ - پاکستان سیمنٹ انڈسٹریز
١٩ - اسماعیل غریب وال (اسماعیل وال)
٢٠ - کراچی گیس کمپنی لمیٹڈ

پندرہ دن بعد ١٦ جنوری ١٩٧٢ء کو گیارہ مزید

ادارے سرکاری تحویل میں لے لئے گئے - ان کی فہرست درج ذیل ہے :-

١ - جنرل آئرن اینڈ سٹیل ورکس لمیٹڈ کراچی
٢ - ولیکا سٹیل ورکس لمیٹڈ کراچی
٣ - جعفر انڈسٹریل کارپوریشن لمیٹڈ کراچی
٤ - پاکستان فرٹیلائزر کمپنی لمیٹڈ کراچی
٥ - پاکستان پروگریسو سیمنٹ انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
٦ - نیشنل ریفائنری لمیٹڈ کراچی
٧ - گندھارا ڈیلرز لمیٹڈ بروٹ اسبیلہ
٨ - ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی لمیٹڈ
٩ - راولپنڈی الیکٹرک پاور کمپنی لمیٹڈ
١٠ - ماڈل سٹیل ملز مرید کے
١١ - کریمی انڈسٹریز لمیٹڈ نوشہرہ

ان تمام اداروں کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے حکومت نے عارضی طور مینیجنگ ڈائرکٹر مقرر کر دیئے جنہوں نے ان کا تفصیل سے جائزہ لیا اور اپنی رپورٹ یکجا کر کے شائع کر دی - اس کے بعد "صنعتی بورڈ" نے ان اداروں کو اپنی نگرانی میں لے لیا -

صنعتی اختیار نامے

ان صنعتی اداروں کو سرکاری تحویل میں لینے کے علاوہ

حکومت نے ۱۹ صنعتوں کے لائسنس بھی منسوخ کر دیئے ۔ جن کی مجموعی مالیت دس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ بنتی ہے ۔ ان صنعتوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

۱ ۔ وہ صنعتیں جن کی اجازت ''منظور نظر،، افراد کو دی گئی ۔

۲ ۔ وہ صنعتیں جو نہ تو ''ضروری،، تھیں نہ معاشی لحاظ سے جائز ۔

۳ ۔ وہ صنعتیں جن کی اجازت ایسے افراد کو دی گئی جن کے پاس پہلے ہی کافی کچھ تھا ۔ ان صنعتوں کی تفصیل یہ ہے ۔

صنعت	انتظامیہ
۱ ۔ کوہاٹ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ سیالکوٹ :	الف ۔ مسماۃ کلثوم سیف اللہ خان سیف آباد سیالکوٹ (چیئرمین) ب ۔ ہمایوں سیف اللہ ۔ ج ۔ سلیم سیف اللہ اجازت برائے قیام صنعت پارچہ بافی ۔ مالیت ۴۵ لاکھ روپے ۔
۲ ۔ قبائلی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ لاہور :	الف ۔ قیصر اے منو لاہور (برائے پارچہ بافی) ب ۔ شہزادہ منو (برائے

	کتائی) ۔ ج ۔ میجر میر بادشاہ ۔ ویلفئر آفیسر جنوبی وزیرستان ۔ برائے تجارت روئی مالیت ۹۴ لاکھ ۶۵ ہزار روپے ۔
۳ ۔ پاکستان بیلٹنگ مینو فیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ لاہور :	الف ۔ شیخ محمد امین معرفت ہوٹل ایمبیسیڈر ۔ برائے تجارت روئی ۔ ب ۔ شیخ ایم انور ، شیخ ارشد سعید ، مسماۃ زینب بی بی ، مسماۃ صفی انور ، مسماۃ رضیہ ارشد معرفت ہوٹل ایمبیسیڈر لاہور ۔ برائے کینوس بیلٹ ۔ مالیت ۳۴ لاکھ ۷۵ ہزار روپے ۔
۴ ۔ قادرون ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کوٹری :	مسماۃ نازلی بیگم ، محمد دادا بھائی ، حسین یوسف دادا بھائی ، عائف محمد ، یوسف نور محمد ۔ برائے یارن سپننگ ۔ مالیت ایک کروڑ ۴۴ لاکھ روپیہ ۔
۵ ۔ محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کراچی :	اے کے سومار ، محمد فاروق سومار ،

میاں محمد رفیق سہگل ، حاجی ہاشم علی محمد بنگالی ، جان محمد چھپرہ برائے کاٹن ویونگ ۔ مالیت تیس لاکھ ساٹھ ہزار روپے ۔

٦ ۔ قمر ٹکسٹائل ملز لمیٹڈ ڈھاکہ : مسمات غلام معین ، مسماۃ نور جہاں بیگم ، عظمت معین ، افسر معین برائے کاٹن سپننگ مالیت ۸۴ لاکھ روپیہ ۔

۷ ۔ قادر ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ جوید پور مشرق پاکستان : الحاج عبدالقادر چوهدری ، عبدالمومن چوهدری ، عبدالخارق چوهدری ، عبدالمتین چوهدری ، مسماۃ سراجہ خاتون ۔ برائے کاٹن سپننگ مالیت ۹۵ لاکھ روپیہ ۔

۸ ۔ ناردرن فارماسیوٹیکل لمیٹڈ گوجر خان : اصغر معیز شیخ ، مسماۃ نجمہ معیز شیخ ۔ برائے ادویہ سازی مالیت سولہ لاکھ پچاس ہزار روپیہ ۔

۹ ۔ ایم رحمان ملک فوڈز لمیٹڈ کراچی : میر خلیل الرحمان ، مسماۃ رانی رحمان ، مسماۃ ارشاد بیگم ۔ برائے ڈیری فارمنگ و ڈیری پراڈکٹس ۔ مالیت ۱۷ لاکھ روپیہ ۔

۱۰ ۔ روز ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ منڈرہ (پنجاب) : مسمات انورہ بیگم ، مسمات جمیلہ خاتون ، خواجہ حفیظ ، بشیر احمد ، محمد افضل ۔ برائے کاٹن سپننگ ۔ مالیت نوے لاکھ روپیہ ۔

۱۱ ۔ سپر پٹرولیم گیس کمپنی لمیٹڈ جہلم : روشن علی بھیم جی ۔ برائے مائع گیس ۔ مالیت بیس لاکھ روپیہ ۔

۱۲ ۔ محمدی سیونگ تھریڈ ملز لمیٹڈ کراچی : حاجی یوسف ، حاجی غفار ، حاجی مجید ، حاجی اسماعیل ، حاجی ہارون ، محمد او سومار ۔ برائے سیولنگ و تھریڈ بال مینوفیکچرنگ ۔ مالیت سترہ لاکھ روپیہ ۔

۱۳ ۔ کریسنٹ ٹیکسٹائل

ملز لمیٹڈ لائل پور : امین بشیر گروپ (۹ ڈائرکٹر) برائے
پارچہ بافی ۔ مالیت اسی لاکھ روپیہ ۔

۱۴ ۔ یونائیٹڈ ٹیکسٹائل
ملز لمیٹڈ چٹا گانگ : ایس ایم مولا بخش ، ابو ظفر ، ایس ایم
یوسف ، اے کے ایم کے انور ۔ برائے
پارچہ بافی ۔ مالیت ۴۹ لاکھ روپیہ ۔

۱۵ ۔ پنجاب فرٹیلائیزر
اینڈ کیمیکلز لمیٹڈ
مظفر گڑھ : نصیر اے شیخ ، مغیث اے شیخ ،
ہمایوں این شیخ برائے کھاد ۔ مالیت
ایک کروڑ ۹۰ لاکھ روپیہ ۔

۱۶ ۔ اسماعیل سیمنٹ
انڈسٹری اسماعیل وال
پنجاب : نصیر اے شیخ ، مغیث اے شیخ
حاجی امیر عمر ، ریاض احمد دولتانہ ،
عبدالخالق ، چوہدری بشیر احمد ،
عزیز احمد شیخ ۔ جپسم گرائنڈنگ
مالیت ۲۱ لاکھ ۱۲ ہزار روپیہ ۔

۱۷ ۔ اٹلس آٹوز لمیٹڈ
کراچی : لفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ خان ۔ یوسف

شیرازی ، ذاکر شیرازی ، مسمات
خاور شیرازی ، عدول جی ڈین شا ۔
برائے موٹر سائیکل اسمبلی ۔ مالیت
سترہ لاکھ ۴۸ ہزار روپیہ ۔

۱۸ ۔ اٹلس آٹوز لمیٹڈ
کراچی : لفٹیننٹ جنرل حبیب اللہ خان ، یوسف
شیرازی، ذاکر شیرازی، خاور شیرازی،
عدول جی ڈین شاہ ۔ برائے لائٹ
انجینئرنگ ۔ مالیت دو لاکھ ۴۶ ہزار
روپیہ ۔

۱۹ ۔ ہارون انڈسٹریز
لمیٹڈ سائٹ ۔
ویسٹ وھارف
کراچی : سعید ہارون ، خواجہ اے رحمان ،
ایچ خان ۔ برائے وھیکل یونٹ ۔ مالیت
۲۳ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ ۔

الف ۔ ان کارخانوں کے علاوہ حکومت نے بعض
مینوفیکچرنگ لائسنس بھی منسوخ کر دیئے ۔ متاثرہ کمپنیوں
کے نام یہ ھیں :

۱ ۔ آدم جی ڈیوز

پاکستان لمیٹڈ : ٹریکٹر اور اُن کے پرزے بنانے کا کارخانہ ۔

٢ ۔ شاہنواز لمیٹڈ
کراچی : ٹریکٹر تیار کرنے کا کارخانہ ۔

٣ ۔ عروسہ انڈسٹریز : ٹریکٹر سازی ۔

٤ ۔ فیکٹو لمیٹڈ : ٹریکٹر اور اُن کے پرزے بنانے اور جوڑنے کا کارخانہ ۔

٥ ۔ منو موٹرز کراچی : ٹیوٹا کاروں کے پرزے بنانے اور اُن کو جوڑنے کا کارخانہ ۔

وزیر خزانہ نے بتایا کہ اُن میں سے اکثر کارخانے اپنی صلاحیت سے بھی ایک تہائی یا ایک چوتھائی کام کر رہے تھے ۔ یہ کارخانے عام طور پر پرزے بنا کر اُن کو جوڑنے کا کام کرتے تھے حکومت نے اب فیصلہ کیا ہے کہ جو ٹریکٹر پاکستان میں استعمال کئے جائیں وہ ایک یا دو قسم کے ہوں ۔ اس سے زیادہ نہیں ۔

باب ٥

مینیجنگ ایجنٹ

حکومت نے جن کارخانوں کو اپنی تحویل میں لیا وہ انہی ٢٢ خاندانوں کی ملکیت تھے ۔ ٣ دسمبر ١٩٧١ء کو کراچی کے بازار حصص کی فہرست میں ٣١٩ صنعتی و تجارتی اداروں کے نام مندرج تھے ۔ ان میں سے ''حکمنامہ معاشی اصلاحات،، کا اثر ١٩٣ اداروں پر پڑا ۔۔ ان اداروں میں ١٣١ کمپنیاں ایسی تھیں جن کو ایک ایک مینیجنگ ایجنٹ (انتظامی گماشتہ) چلا رہا تھا ۔ باقی ٦٢ کمپنیوں کو چلانے والے مینیجنگ ایجنٹس کی مجموعی تعداد ٢٣ تھی ۔

''مینیجنگ ایجنسی سسٹم،، صرف برصغیر ہند پاکستان سے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے ۔ اس کی مثال کسی اور ملک میں نہیں ملتی ۔ امریکہ میں بڑے بڑے اداروں کا تصرف اپنے

ذیلی اداروں پر ضرور ہوتا ہے اور ایسے ''ہولڈنگ،، (holding) کہتے ہیں - لیکن ''مینیجنگ ایجنسی سسٹم،، صرف برطانوی ہند کے مخصوص حالات کی پیداوار ہے - دراصل ابتدا میں جن یورپینوں نے ہندوستان سے تعلقات قائم کئے وہ یہاں مستقل طور پر آباد نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنا کاروبار مقامی لوگوں ہی کے ذریعے چلاتے تھے - جب ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی تو اس نے بھی پرتگالیوں اور فرانسیسیوں کے تتبع میں مقامی گماشتے مقرر کر دیئے جو کمپنی کے کاروباری مفاد کی دیکھ بھال کرتے تھے - رفتہ رفتہ یہ طریقہ اتنا عام ہوگیا کہ جب بھی کوئی نئی غیر ملکی کمپنی اپنا کاروباری رشتہ ہندوستان سے جوڑتی اسے ''مینیجنگ ایجنٹ،، مقرر کرنا پڑتا جو بالعموم کوئی ایسا مقامی ادارہ ہوتا جو سرمایہ اور لین دین کے لحاظ سے اپنا مقام پیدا کر چکا ہوتا تھا - بعد ازاں ایسے مقامی ادارے معرض وجود میں آنے لگے جن کا کام ہی یہ ہوتا کہ یا تو کسی غیر ملکی ادارے کی مصنوعات کی ایجنسی کے لئے یا بدیسی مالکوں کے ایجنٹ کے طور پر مصنوعات تیار کراں - اسی میں سے کاروبار کی ایک نئی شاخ یہ نکلی کہ جب ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی پرائیویٹ طور پر کوئی کام کرنا چاہتی تو کسی دوسرے ادارے کے حصص خرید کر اس کا پورا کاروبار خود سنبھال لیتی - اس کی زیادہ تر ضرورت ریٹائرڈ ڈائرکٹروں کو پیش آتی -

جب کوئی ڈائرکٹر ریٹائر ہونے لگتا تو کاروبار میں اپنی دلچسپی قائم رکھنے کے لئے خود ایک کمپنی قائم کرتا اور اس کی ایجنسی کسی مشہور ''انتظامی گماشتے،، کو دے دیتا تھا - برصغیر ہند پاکستان میں ایسے اداروں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو ان لوگوں نے قائم کئے تھے جو کبھی نہ کسی مشہور اور پرانے ادارے کے رکن یا ڈائرکٹر تھے - یہ لوگ جب دیکھتے کہ کسی نئے کاروبار یا صنعت میں معقول منافع ہو سکتا ہے تو وہ پورا منصوبہ تیار کر کے ڈائرکٹر مقرر کرتے اور عوام سے سرمایہ فراہم کر کے خود ''مینیجنگ ایجنٹ،، بن بیٹھتے - اس طرح ان کو پیداوار، فروخت اور منافع میں سے معقول منافع مل جاتا - اس طریقۂ کار سے چونکہ سرمایہ بڑی حد تک محفوظ رہتا ہے اس لئے پرانی فرمیں نیا کاروبار شروع کرنے کے مقابلہ میں مینیجنگ ایجنسی کو ترجیح دیتی ہیں -

پاکستان میں مینیجنگ ایجنسی سسٹم اگست ۱۹۴۵ء کے بعد خاص طور پر مقبول ہوا - ملک چونکہ نیا نیا تھا اور مقامی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلہ سے پوری طرح سے محفوظ کر دیا گیا تھا اس لئے ''انتظامی گماشتوں،، نے اپنا سرمایہ یکجا کر کے بڑی بڑی فرمیں کھول لیں جنھوں نے بازار حصص کے ذریعے چھوٹے چھوٹے سرمایہ کاروں اور ان عوام کو خوب

لوٹا جو اپنی بچتوں کے ذریعے آمدنی کا کوئی وسیلہ ڈھونڈ رہے تھے ۔ کاروبار پر قبضہ چونکہ ''انتظامی گماشتوں،، کا ہوتا اس لئے ظاہر ہے چھوٹے چھوٹے بچت کاروں کے پلے کچھ بھی نہ پڑتا ۔

پاکستان میں ''مینیجنگ ایجنٹ،، زیادہ تر ۲۲ خانوادوں ہی کے افراد ہیں ۔ یہی لوگ کمپنیوں کے ڈائرکٹر بھی ہوتے ہیں اس لئے کاروباری اور مالی حکمت عملی کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک کمپنی کے ڈائرکٹر دوسری کمپنیوں کے مالک اور انتظامی گماشتے بھی ہو سکتے ہیں ۔ اس لئے ہر پھر کر مشترک سرمایہ کے تمام اداروں پر گنتی کے چند خاندان قابض ہیں ۔

مینیجنگ ایجنسی سسٹم سے چونکہ ارتکاز زر کو فروغ ہوتا ہے اس لئے حکومت نے اس کی قباحتوں کا ازالہ کرنے کے لئے ''کمپنی لا کمشن،، بٹھایا ۔ کمیشن نے اس طریق کار کے اچھے اور برے دونوں پہلوؤں کو آشکارا کیا ہے تاہم اس نے واضح طور پر کہا ہے کہ مینیجنگ ایجنسی سسٹم نے بے شک کاروبار کو فروغ دیا اور پاکستان میں ''انتظامیہ،، کے خلا کو پر کیا ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ''صنعتی جاگیرداری،، کی علامت کو ہمیشہ کے لئے قائم رہنے دیا جائے ۔ کمشن نے اس طریق کار کی قباحتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ

گنتی کے چند انتظامی گماشتوں نے اس ملک کے بیشتر صنعتی اداروں پر عملداری قائم رکھی ہے ۔ اس طرح معاشی قوت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہے جو ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے کسی طرح بھی نیک فال نہیں ہے ۔ یہ ''انتظامی گماشتے،، چونکہ اپنے زیر انصرام اداروں کے ''راز درون پردہ،، سے پوری طرح با خبر ہوتے ہیں اس لئے وہ ان کے حصص میں سٹہ کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔ پھر ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ ان انتظامی گماشتوں نے زیر انتظام اداروں کے کاروبار میں مطلق دلچسپی نہیں لی ۔ ان کا مقصد محض دوسروں کے روپیہ سے عیش اڑانا ہوتا ہے ۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ اکثر انتظامی گماشتوں نے اپنا عہدہ ''وراثتی،، بنا رکھا ہوتا ہے اس لئے تمام کاروبار آ جا کر ایک ہی خاندان میں محصور ہو کر رہ جاتا ہے ۔

مینیجنگ ایجنسیوں کی تنسیخ

ان تمام خرابیوں اور قباحتوں کے پیش نظر حکومت نے ایک قانون منظور کیا ہے جس کا عنوان ہے ''مشترک سرمایہ کی کمپنیوں کی مینیجنگ ایجنسیوں اور ڈائرکٹروں کے انتخاب کا قانون مجریہ ۱۹۷۲ء،، ۔ اس قانون کی رو سے نہ صرف تمام مینیجنگ ایجنسیاں منسوخ کر دی گئی ہیں بلکہ تقسیم، فروخت اور خریداری کی تھوک ایجنسیوں کا بھی خاتمہ کر دیا ہے ۔

اس قانون کے نفاذ سے جو فوائد مرتب ہو سکتے ہیں اُن کا
خلاصہ یہ ہے کہ

۱ - تمام ایسی کمپنیوں کے (جن کا انتظام مینیجنگ
ایجنٹس نے سنبھال رکھا تھا) منافع میں خود بخود اضافہ ہو جائے
گا کیونکہ جو رقم کمشن اور آفس الاؤنس کے بہانے مینیجنگ
ایجنٹس ہضم کر جاتے تھے وہ اصل اداروں کی آمدنی میں
جمع ہوگی -

۲ - مینیجنگ ایجنٹس نے جو پھندا صنعتی اداروں کے
گلے میں ڈال رکھا تھا اُس سے گلو خلاصی ہو جائے گی
اور اب تمام ادارے کاروباری حکمت عملی پوری آزادی سے
تیار کر سکیں گے -

۳ - مینیجنگ ایجنٹس نے تمام خرید و فرخت اپنے ہاتھ میں
رکھی ہوئی تھی جس کا منافع بھی اُن کی جیب میں جاتا تھا
وہ حساب کی کتابوں میں جو کچھ درج کرتے اُس سے کہیں
زیادہ بازار سے وصول کر لیتے - اب چونکہ ”سول ایجنسی،،
ممنوع قرار دیدی گئی ہے اس لئے یہ ہیرا پھیری بھی نہ
ہو سکے گی -

۴ - مینیجنگ ایجنسی سسٹم کی تنسیخ سے چونکہ منافع
بڑھے گا اس لئے حصہ داروں کو بھی زیادہ نفع مل سکے گا -

۵ - صنعتی اداروں کی آمدنی میں اضافہ ہوا تو لازمی

طور پر مزدوروں کو بھی فائدہ ہوگا اور حکومت بھی اپنے
ٹیکس باقاعدگی سے وصول کر سکے گی -

۶ - مینیجنگ ایجنٹس نے اب تک ”پیشہ ور منتظموں،،
کا جو رستہ روک رکھا تھا وہ کھل جائے گا اور ماہرین کو
اپنا کمال دکھانے کا موقع ملے گا -

مینیجنگ ایجنٹس والے ادارے

پاکستان میں ”مینیجنگ ایجنسی،، کی وبا کس حد تک
پھیل چکی ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ
مغربی پاکستان کی اُن ۲۷۲ کمپنیوں میں سے جن کا نام بازار
حصص کی فہرست میں درج ہے ۱۵۸ کا کاروبار ”انتظامی
گماشتوں،، نے سنبھال رکھا ہے اور باقی ۱۱۴ اُن کے پنجے سے
آزاد ہیں - سرکاری قانون نے جن کمپنیوں کو متاثر کیا ہے
اُن میں سے ۱۵۸ مغربی پاکستان اور ۲۸ مشرق پاکستان میں
ہیں - ان ۱۸۶ کمپنیوں کا انتظام ۱۴۸ مینیجنگ ایجنسیوں
کے سپرد تھا - ان میں سے بعض خانوادوں نے بیک وقت
کئی کئی اداروں کی مینیجنگ ایجنسیوں پر قبضہ جما رکھا ہے -
مثلاً داؤد گروپ آف انڈسٹریز کے پاس سات مینیجنگ ایجنسیاں
ہیں جن میں سے پانچ مغربی اور دو مشرق پاکستان میں ہیں -
اسی طرح ولیکا گروپ کے پاس بھی پانچ ادارے ہیں - سہگل
گروپ نے چار اداروں پر انتظامی اقتدار قائم کر رکھا تھا

جن میں سے ایک کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے ۔ محمد امین محمد بشیر کے پاس چار ، نذر محمد کے پاس تین اور آدم جی کے پاس تین ایجنسیاں تھیں ۔ ان کے علاوہ جو خانوادے متاثر ہوئے اُن میں سے سروسز ، کریم ، اصفہانی ، نشاط ، ریاض و خالد اور شیرازی قابل ذکر ہیں ۔

ذیل میں متاثرہ اداروں اور اُن کے انتظامی گماشتوں کی مکمل فہرست درج ہے جس سے ۲۲ خانوادوں کی بندربانٹ کا اندازہ بہ آسانی ہو سکتا ہے ۔

نام کمپنی		نام مینیجنگ ایجنٹ
۱ ۔ آدم جی جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)	:	
۲ ۔ آدم جی شوگر ملز	:	آدم جی سنز
۳ ۔ آدم جی انڈسٹریز	:	
۴ ۔ احمد بھوانی ٹیکسٹائل ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں	:	اے ای بروس
۵ ۔ ایسٹرن کیمیکل انڈسٹریز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)	:	احمد برادرز

نام کمپنی		نام مینیجنگ ایجنٹ
۶ ۔ محمدی شپنگ کمپنی	:	احمدی شپنگ ایجنسی
۷ ۔ کراچی کین کمپنی	:	الٰہ دین ایجنسیز
۸ ۔ العطا ٹیکسٹائل ملز	:	العطا انڈسٹریل مینیجمنٹ
۹ ۔ اللہ وسایا ٹیکسٹائل اینڈ فنشنگ ملز	:	اللہ وسایا ایجنسیز
۱۰ ۔ پان اسلامک سٹیم شپ کمپنی	:	الہلال ایجنسیز
۱۱ ۔ الائڈ ٹیکسٹائل ملز	:	الائڈ ٹیکسٹائل ایجنسیز
۱۲ ۔ لطیف بھوانی جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں	:	اللطیفی
۱۳ ۔ المرتضیٰ ٹیکسٹائل ملز	:	المرتضیٰ ایجنسیز
۱۴ ۔ بہاول نگر شوگر ملز	:	القادر انڈسٹریز
۱۵ ۔ آل وین انجینئرنگ کمپنی (اس کے پندرہ یونٹوں کو سرکاری تحویل میں لیا گیا)	:	آل وین ایجنسیز
۱۶ ۔ آرسی ڈی بال بیرنگ کمپنی	:	اعجاز انڈسٹریز
۱۷ ۔ جنرل آئرن اینڈ سٹیل ملز (اس کے پندرہ یونٹوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا)	:	آمی ایجنسیز

۱۸ - امین جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : امین ایجنسیز

۱۹ - پاکستان نیشنل آئلز : ,,

۲۰ - انور ٹیکسٹائل ملز : انور ایجنسیز

۲۱ - مون لائٹ (پاک) : اپالو ایجنسیز

۲۲ - پاکستان انڈسٹریل گیسز : انسا کارپوریشن

۲۳ - یونائیٹڈ جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : بخش ایجنسیز

۲۴ - صادق آباد ٹیکسٹائل ملز : بالک ایجنسیز

۲۵ - کارپٹنگ جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : براپ ایجنسیز

۲۶ - بھوانی انڈسٹریز : بھوانی سنز

۲۷ - بیکو انڈسٹریز (اس کے ۱۵ یونٹوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا : بیکو ایجنسیز

۲۸ - بنگال فائبر انڈسٹریز : بنین لمیٹڈ

۲۹ - جنانا ڈی مالوچو ٹیکسٹائل

ملز : پیبوجی سروسز

۳۰ - ستلج کاٹن ملز : ,,

۳۱ - سوئی گیس ٹرانس مشن کمپنی : برما آئل کمپنی

۳۲ - کیرلین سلک ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : کاٹریکس لمیٹڈ

۳۳ - چاند پور جوٹ ملز (اس کی پانچ فیکٹریوں کو سرکاری تحویل میں لیا گیا ہے) : چاند پور ایجنسر

۳۴ - چوہدری ٹیکسٹائل ملز : چوہدری سنز

۳۵ - چٹاگانگ سٹیم شپ کارپوریشن (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : چٹاگانگ سٹیم شپ ایجنسی

۳۶ - کلائمکس انجینئرنگ کمپنی : کلائمکس ایجنسیز

۳۷ - مدینہ ٹیکسٹائل ملز : کمرشل مینیجمنٹ لمیٹڈ

۳۸ - صلی ٹیکسٹائل ملز : کاٹن ٹیکسٹائل مینیجمنٹ لمیٹڈ

۳۹ - آگرآباد ہوٹلز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ڈھاکہ یارن ٹریڈنگ کارپوریشن

۴۰ - **ایس بسٹاس سیمنٹ انڈسٹریز** : دادا ایجنسیز

۴۱ - سٹار ٹیکسٹائل ملز : داؤد جی دادا بھائی اینڈ کمپنی

۴۲ - داؤد ہرکولیز کیمیکلز لمیٹڈ :

۴۳ - کرنا فلی پیپرز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) :

۴۴ - داؤد کاٹن ملز :

۴۵ - لارنس پور وولن اینڈ ٹیکسٹائل ملز : داؤد انڈسٹریز لمیٹڈ

۴۶ - کرنا فلی ریان اینڈ کیمیکلز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) :

۴۷ - داؤد پٹرولیم لمیٹڈ :

۴۸ - بوریوالہ ٹیکسٹائل اینڈ آئلز ملز :

۴۹ - ڈی ایم ٹیکسٹائل ملز : ڈی ایم ایجنسیز

۵۰ - دوست محمد کاٹن ملز : دوست محمد انڈسٹریز

۵۱ - النور ٹیکسٹائل ملز : ابراہیم لمیٹڈ

۵۲ - انڈس ڈائنگ اینڈ

مینوفیکچرنگ کمپنی : ابراہیم برادرز لمیٹڈ

۵۳ - پاک روپ ورکس (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ایسٹرن ایجنسیز (پاک)

۵۴ - ایسٹرن ریفائنری (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ایسٹرن مینیجمنٹ لمیٹڈ

۵۵ - پیپلز تمباکو کمپنی (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ایسٹرن تمباکو کمپنی

۵۶ - گنڈلک انڈسٹریز : این مینیجمنٹ لمیٹڈ

۵۷ - پلیٹنم جوبلی جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ای پی آئی ڈی سی

۵۸ - فقیر سپننگ ملز : فقیر سنز لمیٹڈ

۵۹ - پاکستان سیمنٹ انڈسٹریز (اس کے ۱۵ یونٹوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا) : فاروق سہیل

۶۰ - **کالونی سرحد ٹیکسٹائل ملز** : ،،

۶۱ - **میرپور خاص شوگر ملز** : فاروق لمیٹڈ

۶۲ - بہاول پور ٹیکسٹائل ملز : فتح محمد اکبر

۶۳ - فتح ٹیکسٹائل ملز : فیاض لمیٹڈ

۶۴ - مقبول کمپنی : ,,

۶۵ - فضل کاٹن ملز : فضل رحمان اینڈ سنز

۶۶ - فیروز سنز لیبارٹریز : فیروز سنز لمیٹڈ

۶۷ - یونیورسل لیدر اینڈ فٹ ویر انڈسٹریز : فیروز اینڈ کمپنی

۶۸ - گلوب ٹیکسٹائل ملز : گلوب مینیجمنٹ لمیٹڈ

۶۹ - گل احمد ٹیکسٹائل ملز : گل ایجنسیز

۷۰ - مسلم کاٹن ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : گل بخش بھیا اینڈ کمپنی

۷۱ - غوائیہ جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ,,

۷۲ - گندھارا انڈسٹریز (اس کے ۱۵ یونٹوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ہے) : حبیب اینڈ حبیب لمیٹڈ

۷۳ - نیشنل آئرن اینڈ سٹیل انڈسٹریز (اس کے

۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ایچ اختر علی اینڈ کمپنی

۷۴ - اراک انڈسٹریز لمیٹڈ : حبیب انٹرپرائز

۷۵ - حبیب شوگر ملز : حبیب اینڈ سنز

۷۶ - فضل ٹیکسٹائل ملز : ایچ بی مینیجمنٹ لمیٹڈ

۷۷ - پاک جوٹ ملز (اس کے ۴ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : حسن برادرز

۷۸ - ہلالی فلور اینڈ جنرل ملز : ہلال ایجنسیز

۷۹ - کیمیکلز لمیٹڈ : ہوتی کارپوریشن

۸۰ - چارسدہ شوگر ملز : ,,

۸۱ - ایلائٹ ٹیکسٹائل ملز : حسن برادرز

۸۲ - ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی اس کے پندرہ یونٹ سرکاری تحویل میں ہیں) : ہمایوں نوید لمیٹڈ

۸۳ - حسین انڈسٹریز : حسین ابراہیم ایجنسیز

۸۴ - حسین شوگر ملز : ,,

۸۵ - حیدری کنسٹرکشن : حسینی ایجنسیز

۸۶ - سندھ فائن ٹیکسٹائل ملز : ایچ ایم بی اینڈ سنز

۸۷ - حی سنز شوگر ملز : حی سنز کمرشل کارپوریشن

۸۸ - باوا جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں هیں) : حاجی باوا اینڈ کمپنی

۸۹ - گریس انڈسٹریز : ابراهیم مینیجمنٹ

۹۰ - آئی سی آئی پاکستان مینوفیکچررز : امپیریل کیمیکل انڈسٹریز

۹۱ - ٹیکس وڈ انڈسٹریز : انڈس ایجنسیز

۹۲ - انڈین جوٹ ملز : انڈس انڈسٹریل ایجنسیز

۹۳ - پاکستان کروم مائنز : انڈسٹریل مینیجمنٹ لمیٹڈ

۹۴ - کراچی گیس کمپنی (اس کے ۱۵ یونٹ سرکاری تحویل میں هیں) :

۹۵ - جیسور جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں هیں) : انڈسٹریل پروموشن

۹۶ - مرافکو انڈسٹریز : عرفان کارپوریشن

۹۷ - فیروز سلطان انڈسٹریز : جے بی سنز اینڈ کمپنی

۹۸ - سووینر تمباکو کمپنی : کڑہ سنز

۹۹ - خیرپور ٹیکسٹائل ملز : خیرپور ایجنسیز

۱۰۰ - بلوچستان ٹیکسٹائل ملز : خالد وقار لمیٹڈ

۱۰۱ - کریم جوٹ ملز (اس کے چالیس یونٹ مشرق پاکستان میں هیں) : کریم کمرشل کمپنی

۱۰۲ - کریم کاٹن ملز : کریم کارپوریشن

۱۰۳ - کریم سلک ملز : "

۱۰۴ - کریمی انڈسٹریز (اس کے ۱۵ یونٹ سرکاری تحویل میں هیں) : کریمی انٹر پرائز

۱۰۵ - خیبر ٹیکسٹائل ملز : خیبر ایجنسیز

۱۰۶ - یونائٹڈ شوگز ملز : مینیج ویل ایجنسیز

۱۰۷ - پاکستان فشریز : مینیجمنٹ کارپوریشن

۱۰۸ - ایچ ایم سلک ملز : میکرز اینڈ کمپنی

۱۰۹ - بنگال سٹیل ورکس (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں هیں) : برکت علی اینڈ کمپنی

۱۱۰ - میگھنا جوٹ ملز : میگھنا ایجنسیز

۱۱۱ - کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز :

۱۱۲ - شمس ٹیکسٹائل ملز :

۱۱۳ - کریسنٹ جوٹ پروڈکشنز : محمد امین محمد بشیر لمیٹڈ

۱۱۴ - کریسنٹ شوگر ملز اینڈ

ریفائنری :

۱۱۵ - امین فیبرکس :

۱۱۶ - نیشنل ریفائنری لمیٹڈ   محمد امین برادرز لمیٹڈ
(اس کے پندرہ یونٹ سرکاری
تحویل میں ہیں) :

۱۱۷ - مہران شوگر ملز : مغل کارپوریشن

۱۱۸ - گلف شپنگ کارپوریشن : مل وا سنز

۱۱۹ - چٹاگانگ جوٹ
مینوفکچرنگ کمپنی
اس کے ۴۰ یونٹ مشرق   ایم ایم اصفہانی
پاکستان میں ہیں) :

۱۲۰ - وکٹری جوٹ پراڈکٹس
(اس کے ۴۰ یونٹ مشرق   ایم ایم اصفہانی
پاکستان میں ہیں) :

۱۲۱ - اولمپیا ٹیکسٹائل ملز (اس
کے چالیس یونٹ مشرق   منو لمیٹڈ
پاکستان میں ہیں)

۱۲۱ - کالونی ٹیکسٹائل ملز : نصیر مغیث لمیٹڈ

۱۲۲ - اسماعیل سیمنٹ انڈسٹریز
(اس کے پندرہ یونٹ سرکاری   نصیر اینڈ کمپنی

تحویل میں ہیں) :

۱۲۴ - شیخ فضل الرحمان اینڈ سنز : ,,

۱۲۵ - سن شائن کاٹن ملز : نسرین لمیٹڈ

۱۲۶ - سروس انڈسٹریز (ٹیکسٹائل) : نذر محمد

۱۲۷ - سروس انڈسٹریز : ,,

۱۲۸ - بلال ٹیزیز : نثار وک ٹریڈنگ کمپنی

۱۲۹ - حاجی دوسہ لمیٹڈ : ,,

۱۳۰ - نشاط ملز :

۱۳۱ - ٹنگیل کاٹن ملز (اس کے   نشاط کارپوریشن
پندرہ یونٹ سرکاری تحویل
میں ہیں) :

۱۳۲ - نشاط انڈسٹریز : نشاط انٹرپرائز

۱۳۳ - نون شوگر ملز : نون انڈسٹریز

۱۳۴ - نون سلک ملز : نون کارپوریشن

۱۳۵ - النور شوگر ملز : نوری ٹریڈنگ کارپوریشن

۱۳۶ - اورینٹ سٹرابورڈ اینڈ
پیپرز ملز : اورینٹ ایجنسیز

۱۳۷ - کراچی الیکٹرک سپلائی
کارپوریشن : پاک الیکٹرک ایجنسیز

۱۳۸ - امین ٹیکسٹائل ملز (اس کے

چالیس یونٹ مشرق — امین ایجنسیز
پاکستان میں ہیں) :

۱۳۹ - بخش ٹیکسٹائل ملز : پروگریسو ایجنسیز

۱۴۰ - گلفرا حبیب (اس کے چالیس
یونٹ مشرق پاکستان — پرنو ایجنسیز
میں ہیں) :

۱۴۱ - پائلون انڈسٹریز (اس کے
چالیس یونٹ مشرق — پائی لیکس لمیٹڈ
پاکستان میں ہیں) :

۱۴۲ - گل احمد جوٹ ملز
(اس کے چالیس یونٹ — رشید ایجنسیز
مشرق پاکستان میں ہیں) :

۱۴۳ - فضل وجیٹیبل گھی ملز : رشید برادرز

۱۴۴ - فضل نائیلون ملز : رسول مقبول لمیٹڈ

۱۴۵ - گلبرگ ٹیکسٹائل ملز :

۱۴۶ - اروکے کیمیکل انڈسٹریز — ریاض و خالد لمیٹڈ
(اس کے پندرہ یونٹ سرکاری
تحویل میں ہیں) :

۱۴۷ - کوہ نور ٹیکسٹائل ملز :

۱۴۸ - کوہ نور ریان لمیٹڈ

(اس کے پندرہ یونٹ — سہگل برادرز لیمیٹڈ
سرکاری تحویل میں ہیں) :

۱۴۹ - سعید سہگل انڈسٹریز :

۱۵۰ - کوہ نور انڈسٹریز : ,,

۱۵۱ - بنگال گلاس ورکس لمیٹڈ
(اس کے ۴۰ یونٹ مشرق — صالح مینیجمنٹ
پاکستان میں ہیں) :

۱۵۲ - سترنگ ٹیکسٹائل ملز
(اس کے ۴۰ یونٹ — سترنگ ایجنسیز
مشرق پاکستان میں ہیں) :

۱۵۳ - شاہتاج شوگر ملز لمیٹڈ : شاہنواز کارپوریشن

۱۵۴ - شفیق ٹیکسٹائل ملز : شفیق حنیف لمیٹڈ

۱۵۵ - نیشنل سلک اینڈ ریان ملز : شفیق محبوب لمیٹڈ

۱۵۶ - شائیگان الیکٹرک اینڈ
انجینئرنگ کمپنی : شائیگان انڈسٹریز

۱۵۷ - کالونی تھل ٹیکسٹائل ملز : شیخ محمد اسماعیل اینڈ کمپنی

۱۵۸ - اٹلس بیٹریز :

۱۵۹ - اٹلس آٹوز :

۱۶۰ - اٹلس ای پاک لمیٹڈ — شیرازی انوسٹمنٹ لمیٹڈ
(اس کے ۴۰ یونٹ

مشرق پاکستان میں ہیں) :

۱۶۱ - پاک شپنگ لائنز : شپنگ مینیجمنٹ

۱۶۲ - بھوانی شوگر ملز : سندھ مینیجمنٹ لمیٹڈ

۱۶۳ - لکسن تمباکو لمیٹڈ : سیزا مینیجمنٹ لمیٹڈ

۱۶۴ - انڈس کیمیکلز اینڈ الکلیز (اس کے پندرہ یونٹ سرکاری تحویل میں ہیں) : سلور ایجنسیز

۱۶۵ - ای پی کولڈ سٹوریج لمیٹڈ (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : سپنسر اینڈ کمپنی

۱۶۶ - اٹک آئل کمپنی : سٹیل برادرز اینڈ کمپنی

۱۶۷ - چناب ٹیکسٹائل ملز : تجارت انوسٹمنٹ لمیٹڈ

۱۶۸ - محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز : ٹیکسٹائل مینیجمنٹ

۱۶۹ - حافظ ٹیکسٹائل ملز :

۱۷۰ - حافظ جوٹ ملز (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : ٹیکسٹائل ٹریڈنگ کمپنی

۱۷۱ - تھل جوٹ ملز : تھل ایجنسیز

۱۷۲ - تھل انڈسٹریز کارپوریشن : تھل ڈویلپ منٹ بورڈ

۱۷۳ - الائیڈ پیپر انڈسٹریز : یونین ایجنسیز

۱۷۴ - باٹلے میچ انڈسٹریز : یونائیٹڈ کارپوریشن

۱۷۵ - یونائیٹڈ کاٹن ملز : یونائیٹڈ مینیجمنٹ لمیٹڈ

۱۷۶ - ایم ایف ایم وائی انڈسٹریز : عثمان لمیٹڈ

۱۷۷ - عثمانیہ گلاس سیٹ فیکٹری (اس کے ۴۰ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں) : عثمان سنز

۱۷۸ - افسر ٹیکسٹائل ملز : عذرا اینڈ کمپنی

۱۷۹ - ولیکا ٹیکسٹائل ملز :

۱۸۰ - ولیکا وولن ملز :

۱۸۱ - ولیکا آرٹ فیبرکس :

۱۸۲ - ولیکا کیمیکل انڈسٹریز (اس کے پندرہ یونٹ سرکاری تحویل میں ہیں) : ولی بھائی قمرالدین (سندھ) لمیٹڈ

۱۸۳ - ولیکا سیمنٹ لمیٹڈ (اس کے پندرہ یونٹ سرکاری تحویل میں ہیں) :

۱۸۴ - ہرنائی وولن ملز : ڈبلیو پی آئی ڈی سی

۱۸۵ - ذیل پاک سیمنٹ فیکٹری : ,,

۱۸۶ - زینت ٹیکسٹائل ملز : زینت ایجنسیز

مینیجنگ ایجنٹس کے بغیر ادارے

ان کے علاوہ ۹۲ کمپنیاں ایسی ہیں جن کا انتظام و انصرام مینیجنگ ایجنٹس نہیں براہ راست ۲۲ خانوادوں کے ہاتھ میں ہے (الا ماشاءاللہ) ان کی فہرست درج ذیل ہے :

۱ - احمد سپننگ ملز
۲ - علی اصغر ٹیکسٹائل ملز
۳ - عائشہ ٹیکسٹائل ملز
۴ - سنٹرل کاٹن ملز
۵ - دیوان ٹیکسٹائل ملز
۶ - ای پی ٹیکسٹائل ملز
۷ - غفور ٹیکسٹائل ملز
۸ - غلام حسین ھدایت اللہ ٹیکسٹائل ملز
۹ - گلستان ٹیکسٹائل ملز
۱۰ - کوھاٹ ٹیکسٹائل ملز
۱۱ - کوٹری ٹیکسٹائل ملز
۱۲ - میر ٹیکسٹائل ملز
۱۳ - نون ٹیکسٹائل ملز
۱۴ - نور ٹیکسٹائل ملز
۱۵ - اولمپیا سپننگ ملز
۱۶ - پنجاب کاٹن ملز

۱۷ - کوئٹہ ٹیکسٹائل ملز
۱۸ - رچنا ٹیکسٹائل ملز
۱۹ - آر آر ٹیکسٹائل ملز (اس کے سولہ پلانٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۲۰ - صابینہ کاٹن ملز
۲۱ - یوسف ٹیکسٹائل ملز
۲۲ - چشتی ٹیکسٹائل ملز
۲۳ فل برائٹ (پاک) لمیٹڈ
۲۴ - لبرٹی ملز
۲۵ - قاسم لمیٹڈ (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۲۶ - ایم ایم جوٹ ملز (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۲۷ - منور جوٹ ملز (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۲۸ - آر آر جوٹ ملز (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۲۹ - مری بریوری کمپنی
۳۰ - پریمیئر شوگر ملز
۳۱ - ایفا تمباکو کمپنی (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق

پاکستان میں ہیں)

۳۲ - خیبر تمباکو کمپنی

۳۳ - پاکستان تمباکو کمپنی

۳۴ - پریمیئر تمباکو انڈسٹریز

۳۵ - برما ایسٹرن (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)

۳۶ - ایسٹ پاکستان لبری کنٹ بلنڈرز (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)

۳۷ - ہارون آئلز

۳۸ - پاکستان برما شیلز

۳۹ - پاکستان ریفائنریز

۴۰ - کوئٹہ الیکٹرک کمپنی) اس کے پانچ یونٹ سرکاری تحویل میں ہیں)

۴۱ - سوئی ناردرن گیس پائپ لائن

۴۲ - آٹو میٹو ایکوپ منٹ کمپنی (اس کے پانچ یونٹ سرکاری تحویل میں ہیں)

۴۳ - ایلاک لمیٹڈ

۴۴ - جانسن اینڈ فلپس لمیٹڈ

۴۵ - میک ٹرک کمپنی آف پاکستان

۴۶ - ایم کے فونڈری لمیٹڈ (اس کے پانچ یونٹ سرکاری

تحویل میں ہیں)

۴۷ - پاکستان کیبلز

۴۸ - رانا ڈریکٹر اینڈ ایکوپ منٹ کمپنی (اس کے پانچ یونٹ سرکاری تحویل مین ہیں)

۴۹ - سٹیل کارپوریشن آف پاکستان (اس کے پانچ یونٹ سرکاری تحویل میں ہیں)

۵۰ - نیشنل شپنگ کارپوریشن

۵۱ - پاک بے کمپنی لمیٹڈ

۵۲ - پاکستان ریور سٹیم کمپنی

۵۳ - پاکستان انٹرنیشنل ائر لائنز کارپوریشن

۵۴ - کیمیکل انڈسٹریز آف پاکستان (اس کے سولہ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)

۵۵ - کیمفر پاکستان لمیٹڈ

۵۶ - ایسو پاکستان

۵۷ - گلیکسو لیبارٹریز

۵۸ - پاکستان آکسیجن لمیٹڈ

۵۹ - سنڈوز (پاکستان) لمیٹڈ

۶۰ - چٹاگانگ بورڈ مینو فیکچرنگ کمپنی (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)

۶۱ - ایگل بکس اینڈ کاٹن لمیٹڈ (اس کے سولہ یونٹ

مشرق پاکستان میں ہیں)

۶۲ - پیکجز لمیٹڈ
۶۳ - پاکستان پیپر کارپوریشن لمیٹڈ
۶۴ - پاکستان پیپر پراڈکٹس
۶۵ - سکیورٹی پیپرز
۶۶ - ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز
۶۷ - برما آئل ملز
۶۸ - کاکا خیل انڈسٹریز
۶۹ - سرگروہ آئل انڈسٹریز
۷۰ - سورج گھی ملز
۷۱ - یونیورسل آئل انڈسٹریز
۷۲ - وزیر علی انڈسٹریز
۷۳ - کیمن (پاکستان) لمیٹڈ
۷۴ - گیمن (ایسٹ پاکستان) لمیٹڈ
۷۵ - ایگریکلچرل سروسز لمیٹڈ
۷۶ - امین ایجنسیز (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۷۷ - بینز انڈسٹریز
۷۸ - بروک بانڈ (پاک) لمیٹڈ
۷۹ - گیلانڈرز اینڈ اربھٹ ناٹ لمیٹڈ

۸۰ - جی ٹی سرجیکل کمپنی
۸۱ - ہاشمی کیبن
۸۲ - حاجی شیخ محمد حسین اینڈ کمپنی
۸۳ - عیسٰی خیل فارمز لمیٹڈ
۸۴ - لپٹن (پاک) لمیٹڈ
۸۵ - نیشنل سرامک لمیڈ (اس کے سولہ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۸۶ - نون پاکستان لمیٹڈ
۸۷ - پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل
۸۸ - پاکستان سروسز
۸۹ - رانی پاکستان لمیٹڈ (اس کے ۱۶ یونٹ مشرق پاکستان میں ہیں)
۹۰ - سکیورٹی سیف ڈیپازٹ
۹۱ - سپنسرز اینڈ کمپنی
۹۲ - تاج کولڈ سٹوریج لمیٹڈ

باب ٦

مقبوضہ کارخانوں کا جائزہ

حکومت نے جن صنعتی اداروں کو تحویل میں لیا تھا اُن کی کارگزاری اور مالی ہیئت ترکیبی کا تفصیل سے جائزہ لینے پر وہ الزامات درست ثابت ہوئے جو نجی سرمایہ کاروں پر مدت سے لگائے جا رہے تھے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں جو رپورٹ سرکاری مینیجنگ ڈائرکٹروں نے تیار کرائی ہے وہ کئی لحاظ سے تشنہ ہے (اور یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ایک اخباری اطلاع کے مطابق اس پر بلا وجہ کئی لاکھ روپیہ خرچ کر دیا گیا) تاہم اُن بے قاعدگیوں اور جعلسازیوں کی نشاندھی کے لئے کافی ہے جن کی ظلمتوں میں مٹھی بھر افراد ایک ہیبت ناک صنعتی سلطنت کی بنیادیں استوار کرنے میں کامیاب رہے۔ نجی صنعت کاروں نے مشہور کر رکھا تھا کہ

وہ اپنے فن کے ماہر ہیں ، اُنہوں نے پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لئے بے دریغ قربانی دی ہے بلکہ بعض نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اگر وہ نہ ہوتے تو پاکستان صنعتی لحاظ سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتا۔ لیکن مقبوضہ صنعتوں کے حساب کتاب کی پڑتال سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بیشتر ادارے "کشکول گدائی کی پیداوار" ہیں۔ مملکت پاکستان کی ضمانت پر جو سرمایہ بیرونی ممالک سے دستیاب ہوا وہ برسر اقتدار طبقہ کی ملی بھگت سے چند طالع آزما خانوادوں کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ ان افراد کو اگر اپنے کاروبار سے منافع ہوا تو ذاتی صلاحیت کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ تمام ملکی مصنوعات کو تامینی محاصل اور اجارہ داریوں کے ذریعے نہ صرف بیرونی بلکہ اندرونی مسابقہ سے بھی محفوظ کر دیا گیا تھا سرمایہ کاروں کو محاصل سے طویل چھٹی مل گئی اور قیمتوں کے معاملہ میں اُن سے کبھی باز پرس نہ کی گئی۔ بیشتر صنعتی ادارے عوامی سرمایہ کے اشتراک سے ظہور میں آئے تھے اور بنکوں نے بھی چھوٹے چھوٹے بچت کاروں کی تمام پونجی سمیٹ کر اُن کے حوالے کر رکھی تھی۔ اس کے باوجود ان کمپنیوں اور فرموں نے یہ ضرورت کبھی محسوس نہ کی کہ اپنے رازوں میں حصہ داروں کو بھی شریک کر لیں۔ اُنہوں نے رائے دھی کا طریقہ ھی ایسا مقرر کر رکھا تھا کہ کسی

''نا محرم'' کو ''سرا پردہ'' میں جھانکنے کا موقع ہی نہ ملتا ۔
ان حالات میں اگر چند خانوادوں کی لوٹ کھسوٹ اپنی انتہا
کو پہنچ گئی تو تعجب ہی کیا ہے ۔
ذیل میں اس رپورٹ کے اہم حصے پیش کئے جا رہے
ہیں جو حکومت نے ۳۲ صنعتوں کو تحویل میں لینے کے بعد
مرتب کرائی ۔

سٹیل کارپوریشن آف پاکستان

یہ کمپنی ۲۴ اگست ۱۹۵۵ء کو ڈھائی کروڑ روپے کے
سرمایہ سے معرض وجود میں آئی ۔ اس کا ادا شد سرمایہ
ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ تھا جو زیادہ تر این آئی ٹی ،
آئی سی پی اور پکک سے فراہم کیا گیا بلکہ پکک نے تو
سرمایہ کے علاوہ اسے زرمبادلہ کی صورت میں کئی قرض بھی
مہیا کئے ۔ اس کمپنی کو خام لوہا درآمد کرنے کے لئے
لائسنس بھی ملے ہوئے تھے وہ اپنے کارخانے میں فولادی
مصنوعات (تار، ڈھانچے اور پترے) تیار کرتی تھی ۱۹۶۸-۶۶ء
میں اسے چار کروڑ اڑتالیس لاکھ روپیہ کا منافع ہوا ۔ لیکن
اس کے بعد غالباً سہم اندازوں کی نیت میں فتور آ گیا اور
انہوں نے گوشوارے میں کم سے کم منافع دکھانا شروع
کر دیا ۔ چنانچہ جب حکومت نے اس کمپنی کے حسابات کی
پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۱ء تک وہ اپنے

گوشواروں میں ۵۴ لاکھ روپیہ کا خسارہ دکھانے کا ارادہ
رکھتی تھی دراصل اسی کمپنی کے ڈائرکٹر بعض دوسری
کمپنیوں میں بھی دلچسپی رکھتے تھے ۔ اس لئے وہ یہاں سے
روپیہ نکال کر دوسری جگہ منتقل کرتے رہے اسی طرح وہ
بنکوں سے ''اوور ڈرافٹ'' لیتے رہے اور ان بھاری رقوم کو
کبھی واپس کرنے کی کوشش نہ کی ۔ بلکہ وہ سارا بوجھ
قیمتوں پر ڈالتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''سکاپ'' کی
مصنوعات منہگے داموں فروخت ہوتی رہیں اور عوام انہیں
مجبوراً خریدتے رہے ۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ اس کمپنی
نے فروخت کے جملہ حقوق اپنی ایک ''بہن'' سٹیل سیلز لمیٹڈ
کو دے رکھے تھے اور تمام فرضی کمیشن ، مراعات اور چھوٹ
کا فائدہ اسی کو پہنچتا تھا ۔

حئی سنز سٹیل ملز

حئی سنز فیملی نے جہاں قند سازی ، پٹ سن اور بجلی کے
سامان کے کارخانے قائم کر رکھے ہیں وہاں اس نے فولاد کا
ایک کارخانہ بھی کھول رکھا ہے جس کے کئی یونٹ ہیں ۔
اس کمپنی نے ۳۱ مارچ ۱۹۷۱ء کو جو حسابات پیش کئے
ان کے مطابق اس کے پاس تین کروڑ گیارہ لاکھ روپیہ کا مال
برائے فروخت موجود تھا ۔ لیکن سرکاری رپورٹ کے مطابق
اتنا ثابت نہیں ہو سکا ۔ کمپنی نے سٹیل ملز کے ملازموں اور

مزدوروں کی جو تعداد رجسٹر میں دکھائی وہ اسی خاندان کے
دوسرے کارخانوں میں کام کرتی ہوئی پائی گئی ۔ ملازموں نے
چار ماہ کے بونس کا مطالبہ کر رکھا ہے جس سے اس کارخانے
کی آمدنی کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

علی آٹو موبیلز

علی آٹو موبیلز ۱۹۵۰ء میں ایک پرائیویٹ فرم کی
حیثیت سے میدان میں آئی ۔ اس کا منظور شد سرمایہ پچاس لاکھ
روپیہ اور ادا شد سرمایہ بیس لاکھ روپیہ تھا جو بعد ازاں
بڑھا کر پچاس لاکھ روپیہ کر دیا گیا ۔ یہ کمپنی کل پرزے
درآمد کر کے ٹرک اور سکوٹر تیار کرتی ہے ۔ اس نے بنکوں
سے ایک کروڑ ۴۶ لاکھ روپیہ ادھار لے رکھا ہے ۔ اس کے
باوجود اس کے پاس ایک پیسہ بھی نقد موجود نہیں تھا ۔
حالانکہ مزدوروں نے عید سے پہلے بونس کی تقسیم کا مطالبہ
کر رکھا تھا جو ۲ لاکھ ۵۴ ہزار روپیہ سے کم نہ تھا ۔

وزیر علی انجینئرنگ

یہ بھی وزیر علی خانوادے کی ایک پرائیویٹ لمیٹڈ
کمپنی ہے ۔ جو ۱۹۶۳ء میں ایک کروڑ روپے کے منظور شد
سرمایہ سے وجود میں آئی ۔ تاہم ادا شد سرمایہ بیس لاکھ
روپے سے آگے نہیں بڑھ سکا ۔ اس نے اپنے کاروبار کے لئے
ایک کروڑ ۸۷ لاکھ روپیہ بنکوں سے ادھار لے رکھا ہے ۔ یہ

کمپنی زیادہ تر سکوٹروں ، ٹریکٹروں ، ٹرکوں اور بسوں کے
کل پرزے تیار کرتی ہے ۔ اس کی نوے فیصد مصنوعات کی
کھپت فوجی ٹھیکوں کی مرہون منت ہے ۔ کمپنی کے حساب
کتاب کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ فوج نے جہاں فوجی
سامان تیار کرنے کے لئے بہت سا قرض لے رکھا ہے وہاں ابھی
تک اس نے کوئی بھی مال فراہم نہیں کیا ۔ کمپنی کے پاس
نقد روپیہ موجود نہیں ہے اور مزدوروں کو عید پر بونس بھی
دینے کے قابل نہیں ۔

گندھارا انڈسٹریز

یہ کمپنی امریکہ کی جنرل موٹرز کارپوریشن نے ۱۹۵۳ء
میں قائم کی اور ابتدا میں مقامی صنعت کاروں کو شیورلٹ اور
بیڈ فورڈ ٹرکوں کے کل پرزے فراہم کرتی رہی ۔ ۱۹۶۳ء میں
اس نے فیصلہ کیا کہ اپنا کاروبار پاکستان میں لے آئے ۔
اس وقت ایوب شاہی کا دور دورہ تھا ۔ اس نے اپنے حصص
گندھارا انڈسٹریز کو فروخت کر دیئے ۔ اس وقت یہ کمپنی
ٹرک ، بسیں ، موٹریں اور ٹیوٹا گاڑیاں تیار کرتی ہے ۔ لیکن
کارخانہ بحیثیت مجموعی اپنی استعداد سے کہیں کم چلایا جاتا
ہے ۔ اسکے باوجود کمپنی نے ۲ جنوری ۱۹۷۲ء تک بنکوں
سے دو کروڑ ۸۹ لاکھ روپیہ قرض لے رکھا تھا ۔ اس نے
۱۹۷۰-۷۱ء کا پورا منافع بھی تا دم تحریر ادا نہیں کیا ۔ وہ

اپنے امریکی فراہم کاروں کا بقایا بھی بے قاعدگی سے ادا نہیں کرتی - گندھارا ڈیلرز اس کا ایک ذیلی ادارہ ہے - جس کو وہ ۵۴ لاکھ روپیہ پیشگی دے چکی ہے - اس میں سے بیس لاکھ روپیہ لاہور کمرشل بنک میں رکھ لیا گیا - تاکہ کسی اور کمپنی کو (جس میں گندھارا کے چیئرمین کو دلچسپی ہے) دیا جا سکے اس کمپنی کی مالیات کو بھی اس کے ڈائرکٹروں نے درہم برہم کر رکھا ہے -

ہارون انڈسٹریز

ہارون انڈسٹریز نے ۱۹۶۲ء میں درآمد شدہ ٹوٹی پھوٹی کاروں کی مرمت اور ٹرکوں اور بسوں کے کل پرزے تیار کرنے کی اجازت لی - لیکن گزشتہ تین سال کا حساب کتاب غائب ہے - اسلئے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کمپنی کی مالی حالت کیا ہے -

کنڈا والا انڈسٹریز

کنڈا والا انڈسٹریز کنڈا والا خانوادے کی ملکیت ہے اور اسکے تمام حصے دار اور ڈائرکٹر اسی کنبے کے افراد ہیں - یہ کمپنی ولی جیپ ، مرسیڈیز ، بینز ، بیڈفورڈ ، شیورلیٹ ، پراگا اور ایسوزو ایسی گاڑیوں کے کل پرزے تیار کر کے جوڑتی ہے - سرکاری رپورٹ کے مطابق اس کمپنی کا نہ حال درست ہے نہ مستقبل - ۷۱-۱۹۷۰ء میں اس نے اپنے حسابات میں

خسارہ دکھایا ہے -

آروکے کیمیکل انڈسٹریز

یہ کمپنی ۱۹۶۳ء میں عوامی سرمایہ سے وجود میں آئی - اسنے حکومت سے ایک کروڑ ۸۹ لاکھ روپیہ زرمبادلہ بطور قرض لے رکھا ہے - اسی بنا پر اسے پی ڈبلیو سی ریزن اور اسکی مصنوعات تیار کرنے کے لئے میشنری درآمد کرنے کی اجازت دی گئی - اس کمپنی کا نظام فروخت بے حد ناقص ہے - پہلے اسنے پائپ فروخت کرنے کے لئے بعض ایجنٹوں کا انتخاب کیا - لیکن وہ اپنا مال براہ راست بھی فروخت کرتی ہے - خصوصاً سوڈا کاسٹک کے معاملہ میں اسنے کافی بے احتیاطی کا ثبوت دیا ہے - اس کمپنی کے آڈیٹر ریاض احمد ہیں جو کمپنی کے مینیجنگ ڈائرکٹر ریاض شفیع کے برادر نسبتی ہیں - سرکاری رپورٹ کے مطابق یہ کمپنی خود ہی اپنے حسابات کر کے خود ہی چیک کرتی ہے - ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک کے رجسٹر غائب ہیں - اس کمپنی کے ذمے لاکھوں روپے کے ٹیکس ہیں -

انڈس کیمیکلز اینڈ الکلیز

یہ کمپنی پہلے پرائیویٹ تھی - ۶۱-۱۹۶۰ء میں عوامی بن گئی وہ سوڈا ایش ، سوڈیم بائیکربونیٹ (بی پی) اور محلول کاسٹک سوڈا تیار کرتی ہے - اس کمپنی نے پچاس لاکھ روپیہ

بنک سے آدھار لے رکھا ہے - لیکن نقد روپیہ کی کمی کے باعث وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی - حتی کہ وہ ایکسائز ڈیوٹی ادا کرنے میں بھی لیت و لعل کرتی رہی - جس پر ایکسائز ڈیپارٹمنٹ نے آسکا مال روک لیا - کمپنی اپنے حسابات میں پچھلے سال تک خسارہ دکھاتی رہی ہے حالانکہ ۱۹۶۶ء سے مال برابر تیار کر رہی ہے - پچھلے سال آسے ۴۹ لاکھ روپیہ اور اس سال (۱۹۷۰-۷۱ء) ۱۵ لاکھ روپیہ منافع ہوا -

ولیکا کیمیکل انڈسٹریز

اس کمپنی کو ۱۹۶۲ء میں کاروبار کی اجازت ملی لیکن ۱۹۶۷ء تک وہ اپنا منصوبہ بروئے کار نہ لا سکی - آسکا ادا شد سرمایہ تین کروڑ روپیہ ہے - آس نے جرمنی سے مشینری منگوائی تھی لیکن جب آسنے کام نہ دیا تو جرمن فرم نے اپنے حصص آسے واپس کر دیئے - یہ کمپنی بھی برابر خسارہ دکھا رہی ہے - آسنے ولی بھائی قمرالدین اور پھر انوسٹ منٹ ٹرسٹ سے قرض لے رکھا ہے - اس طرح حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ پڑھی جا رہی ہے -

ولیکا سیمنٹ

ولیکا سیمنٹ کمپنی نے ۱۹۶۴ء میں کاروبار شروع کیا تھا -

وہ خشک طریقہ سے سیمنٹ تیار کرتی ہے - اسکے کارخانے میں تین لاکھ ٹن سالانہ کی استعداد ہے - لیکن گزشتہ تین سال سے اسمیں برابر کمی آ رہی ہے - آسکے حسابات میں بھی کافی گڑبڑ ہے جس کی نشاندھی سرکاری رپورٹ نے کی ہے - ۱ اپنے مالکوں کی دوسری کمپنیوں کو آدھار مال مہیا کرتی رہی ہے اور آسکی رقم اب تک وصول نہیں کی - سرکاری رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بیس لاکھ روپے کا سیمنٹ ولیکا کیمیکلز اور ولیکا سٹیل کو فروخت کیا گیا - اسی طرح بعض پرائیویٹ پارٹیوں کو تین لاکھ روپیہ کا آدھار دیا گیا - لیکن یہ رقم ”کھوہ کھاتے“ میں پڑی ہے -

کراچی گیس کمپنی

کراچی گیس کمپنی کراچی ڈویژن کو قدرتی گیس فراہم کرتی ہے - اس کا ادا شد سرمایہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ مرکزی حکومت کی طرف سے ڈبلیو پی آئی ڈی سی نے دیا تھا - یہ کمپنی بھی الحاق اداروں سے مال خریدتی ہے - اسکے علاوہ سرمایہ لگانے میں بڑی بے پروا ہے - یہ کمپنی اپنے بقائے بھی وصول نہیں کر سکی - جس کے باعث آسکی مالی حالت کمزور ہے -

پیکو انڈسٹریز

بٹالہ انجینئرنگ کمپنی زرعی اوزاروں کے علاوہ لوہے اور

فولاد کی بے شمار مصنوعات تیار کرتی ہے کوٹ لکھپت (لاہور)
میں اسنے ایک لاکھ سائیکل تیار کرنے کا کارخانہ بھی قائم کر
رکھا ہے ۔ وہ امریکی حصہ داروں سے مل کر الیکٹرک موٹر
بھی تیار کرتی ہے ۔ اسکے پاس نہروں کے دروازے اور
ٹرانسمشن ٹاور بنانے کے بھی انتظامات ہیں ۔ اسکا ادا شد سرمایہ
۵ کروڑ روپیہ ہے ۔ اسنے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک منافع
تقسیم نہیں کیا ۔ تاہم اسمیں شبہ نہیں پاکستان میں انجینئرنگ
کی بنیاد اسی نے رکھی ۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق اسکے
حساب کتاب میں بہت سی بے قاعدگیاں پائی گئیں ۔ عام طور
پر اسکی ششماہی فروخت کا اندازہ چھ کروڑ روپے ہے لیکن اب
تین کروڑ رہ گئی ہے ۔ اسکی پیداوار اور فروخت کی پالیسیوں
میں ہم آہنگی نہیں ہے ۔ اسلئے بہت سا مال بے کار پڑا رہتا ہے
اور سرمایہ بھی پھنس کر رہ جاتا ہے ۔ اسنے لاگت اور قیمت
فروخت کے تناسب کا اندازہ لگانے کی بھی پروا نہیں کی ۔

ایم کے فونڈری اینڈ انجینئرنگ ورکس

یہ پرائیویٹ کمپنی پائپ بنانے کے لئے ۱۹۶۳ء میں
عالم وجود میں آئی تھی ۔ خیال تھا کہ اسکا کارخانہ دو
مرحلوں میں مکمل ہوگا ۔ پہلا مرحلہ تو ۱۹۶۸ء کے اواخر
میں طے ہو گیا ۔ دوسرا زیر تکمیل تھا کہ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء
کو اسکے جرمن انجینئر جنگ کے خوف سے بھاگ گئے ۔ اس

کمپنی کے ذمے بھی بہت سا قرضہ ہے جس سے عہدہ برآ ہونے
کے لئے اسکے وسائل محدود ہیں ۔

اتفاق فونڈری

یہ بھائی چارے کی کمپنی بھی لوہے اور فولاد کی
مصنوعات تیار کرتی ہے ۔ اسکا ادا شد سرمایہ ستر لاکھ روپیہ
ہے ۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق کمپنی کے حسابات
بے ضابطگیوں سے پاک نہیں ہیں ۔ کئی سودے نقد ہوئے
لیکن رسیدیں نہیں دی گئیں ۔ سٹور اور سٹاک کا حساب بھی
نہیں رکھا گیا ۔ ڈائرکٹر جس کو چاہتے ہیں کم نرخ پر مال
فروخت کر دیتے ہیں ۔ یہی حال ادھار کھاتے کا ہے ۔ جس کو
چاہا مال ادھار دے دیا اور جس سے چاہا نقد وصول کر لیا ۔

رانا ٹریکٹر اینڈ ایکوپ منٹ

رانا ٹریکٹرز پبلک لمیٹڈ کمپنی ہے جس نے جیمز شیلے
کمپنی سے میسی فرگوسن کی مشینری فروخت کرنے کے حقوق
حاصل کئے تھے ۔ ابتدائی سرمایہ رانا خدا داد خان مینیجنگ
ڈائرکٹر اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد نے دیا ۔ اسکے بعد
کمپنی کو عوامی بنا کر سرمایہ ۵ لاکھ سے بڑھا کر ساڑھے بارہ
لاکھ روپیہ کر دیا گیا ۔ اس کمپنی کے پاس بھی نقد روپیہ بہت
کم ہے حالانکہ اس نے اسی لاکھ روپیہ بنکوں کا اور ایک لاکھ

اسی ہزار روپیہ ٹیکسوں کے حساب میں دینا ہے ۔

کوہ‌نور ریان

یہ کمپنی شفیق سہگل کی ہے اور مصنوعی ریشمی دھاگہ تیار کرتی ہے ۔ ۱۹۷۱ء میں اس نے دو ہزار تین سو ٹن سوت کے علاوہ کئی کیمیکلز تیار کئے ۔ اس کا انتظام مزدوروں نے سنبھال رکھا ہے ۔

یونائٹیڈ کیمیکلز

یہ کمپنی سوڈا کاسٹک تیار کرتی ہے ۔ ۱۹۷۰-۷۱ء میں اسکی پیداوار ۲۳ ہزار ٹن سے زائد تھی ۔ اس نے کارخانے میں کافی توسیع کر رکھی ہے ۔ لیکن مواد خام اور فالتو پرزوں کی کمی کے باعث وہ پوری استعداد سے کام نہیں لے رہی ۔

پاکستان سیمنٹ انڈسٹریز

اس فیکٹری کے دو بھٹے ہیں جن میں روزانہ بارہ سو ٹن سیمنٹ تیار ہو سکتا ہے ۔ تربیلا ڈیم کے خراب ہونے کے باعث اس کا مال بھی جلد اور بہ آسانی فروخت ہو جاتا ہے ۔ اسکا ادا شدہ سرمایہ دو کروڑ ۳۱ لاکھ روپیہ ہے ۔ یہ کمپنی کالونی والوں کی ہے ۔ ان کی انتظامیہ اور حساب کتاب مشترک ہے ۔ کالونی سرحد ٹیکسٹائل ملز اور پاکستان سیمنٹ کے ملازم

اور افسر بھی علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں ۔ اس کمپنی کی فروخت کافی ہے لیکن سٹاکسٹ محدود ہیں ۔

اسماعیل سیمنٹ انڈسٹریز

اسماعیل سیمنٹ انڈسٹریز بھی کالونی والوں کی ہے ۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق اسکے حساب کتاب میں بے شمار بے قاعدگیاں دیکھی گئیں ۔ اس کمپنی نے بھی اپنی لاگت کا تجزیہ کبھی نہیں کرایا ۔ بجٹ پر بھی کنٹرول نہیں ہے ۔ اسے پبلک اور آئی ایف سی سے لاکھوں روپیہ لے رکھا ہے ۔ لیکن ۲۰ لاکھ کی تین اقساط ادا کرنے کے لئے اسکے پاس روپیہ نہیں ہے ۔ اسی طرح ۲۶ لاکھ روپے کی ایکسائز ڈیوٹی بھی اسکے ذمے ہے ۔

جعفر انڈسٹریل کارپوریشن

اس پرائیویٹ کمپنی نے اپنا کاروبار سرحد کی ایک دکان کے طور پر شروع کیا تھا ۔ اب وہ جیپوں اور ٹرکوں کے کل پرزے اور ڈھانچے تیار کرتی ہے ۔ اسنے فوجی ٹھیکے بھی لے رکھے ہیں ۔ اسکا ادا شدہ سرمایہ پانچ لاکھ روپیہ ہے اور زر محفوظ کوئی نہیں ہے ۔ تا ہم اس نے بنکوں سے قرض لے کر اسی لاکھ روپے کا اثاثہ بنا رکھا ہے ۔ یہ کمپنی بھی اپنا حساب کتاب صاف نہیں رکھتی ۔ اسنے ۱۹۷۱ء کے گوشوارے میں ایک طرف تو تین لاکھ روپیہ کا منافع دکھا

رکھا ہے ۔ دوسری طرف سٹاک کے لحاظ سے اسے دس لاکھ
روپیہ کا خسارہ ہے ۔ چنگی ادا نہ کرنے کے باعث وہ بندرگاہ
سے اپنا مال (مشینری) بھی نہیں چھڑا سکی ۔

جنرل آئرن اینڈ سٹیل ورکس

ابتدا میں یہ کمپنی پرائیویٹ تھی ۔ لیکن ۱۹۶۹ء سے
پبلک لیمٹڈ کمپنی بن چکی ہے ۔ اسکے کارخانے میں سریا
بنانے کے علاوہ بیت الخلا اور غسلخانے کا سامان تیار کرنے
کا انتظام بھی ہے ۔ اسی طرح وہ ٹرانسمشن ٹاور بھی بنا سکتی
ہے ۔ بایں ہمہ اسکی پیداوار کا پروگرام منظم نہیں ہے ۔ وہ
آرڈر کے مطابق مال تیار کرتی ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے
کہ اسکے بجٹ اور انتظامی امور میں باقاعدگی پیدا نہیں ہو
سکی ۔ اس کا بہت سا تیار مال محض اسلئے پڑا ہے کہ فروخت
کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ۔ اس کمپنی کے نظم و نسق
کو سائنٹیفک خطوط پر ڈالنے کی ضرورت ہے ۔

ولیکا سٹیل ورکس

ولیکا سٹیل ورکس ولیکا خاندان کی ملکیت ہے ۔ اسکے
ڈائرکٹروں میں فخرالدین ولی بھائی ۔ نجم الدین ولی بھائی ۔
سیف الدین ولی بھائی ۔ عبدالغنی ۔ حاجی حبیب ۔ فدا حسین
لوٹیہ اور عبدالغنی احمد شامل ہیں ۔ اسنے اپنی انتظامیہ

المرتضیٰ انڈسٹریل مینج منٹ کے سپرد کر رکھی ہے ۔ وہ
لوہے اور فولاد کی ایسی مصنوعات تیار کرتی ہے جن میں اس
کا کوئی حریف نہیں ہے ۔ اس کا منظور شد سرمایہ دس کروڑ
اور ادا شد چھ کروڑ روپے ہے ۔ اسے یونائیٹڈ بنک کی امداد
حاصل ہے جس نے اسے دو کروڑ تیس لاکھ کی مقررہ حد سے
بھی زیادہ دو ارب اٹھائیس کروڑ روپیہ کا ادھار دے رکھا ہے
اس اوور ڈرافٹ پر اسے نو فیصد سود ادا کرنا پڑتا ہے ۔ اسی
طرح اسے پکک اور آسٹریلیشیا بنک سے بھی قرض لینے کی
سہولت میسر ہے ۔ بایں ہمہ کمپنی نے اپنے بجٹ اور حسابات
پر کوئی کنٹرول قائم نہیں کیا ۔ رجسٹر بھی اپ ٹو ڈیٹ نہیں
ہیں ۔ سرکاری رپورٹ نے اس کمپنی کی بے شمار بے ضابطگیوں
کی نشاندھی کی ہے ۔

نیشنل ریفائنری

نیشنل ریفائنری کی انتظامیہ محمد امین برادرز کے سپرد ہے۔
جس کے کئی دفاتر ہیں اور وہ اس کمپنی کی ہم رشتہ تمام
کمپنیوں میں دخیل ہیں ۔ حکومت نے ان دفاتر کو علیحدہ
علیحدہ کر دیا ہے ۔ یہ کمپنی خام تیل باہر سے درآمد کرتی
ہے جس کے لئے حبیب بنک نے اسے ایک کروڑ دس لاکھ
روپیہ ادھار دے رکھا ہے اسی طرح نیشنل بنک سے بھی
کہا گیا ہے کہ ایک کروڑ بیس لاکھ روپے کا قرض دے

تا کہ لیٹر آف کریڈٹ کھولا جا سکے - اس کمپنی نے اینکو انٹرنیشنل آئل کمپنی سے خام مال کی فراھمی کے لئے معاھدہ کر رکھا ھے - تیار مصنوعات پاکستان نیشنل آئلز لمیٹڈ کے ذریعے فروخت ھوتی ھیں - قیمتوں کا تعین حکومت کرتی ھے - حالیہ جنگ میں اس کارخانے کو کافی نقصان پہنچا ھے - یہ کمپنی تیل کے کنستر اور ڈرم بونس ووچر پر باھر سے درآمد کرتی ھے - اس کمپنی کی پیداوار اور تقسیم کے انتظامات کو بڑی حد تک درست کرنے کی ضرورت ھے -

پاکستان پروگریسو سیمنٹ انڈسٹریز

اس کمپنی کے دو کارخانے ھیں ایک کراچی میں اور دوسرا ڈنڈوت ضلع جہلم میں - قیام پاکستان سے پہلے یہ کارخانے ڈالمیا کے تھے - ۱۹۶۴-۶۵ء میں ڈالمیا نے ان کو فروخت کر دیا - موجودہ مالکوں نے کسٹوڈین جائیداد کا دو کروڑ نوے لاکھ روپیہ دینا ھے - ڈنڈوت کا کارخانہ کم و بیش ۳۵ سال پرانا ھے اور اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا - اسکی اوسط پیداوار ایک لاکھ ۴۳ ہزار ٹن ھے - کراچی کے کارخانے میں خام مال کی لاگت بھی زیادہ ھے - یعنی گیارہ روپے فی ٹن - حالانکہ عام طور پر تین روپے فی ٹن ھونی چاھئے - ان کارخانوں کی پیداوار گھٹ رھی ھے اور برآمد کا کوئی امکان نہیں - کمپنی نے بنکوں سے بے شمار قرضہ (ایک کروڑ

۱۷ لاکھ روپیہ) لے کر اپنے ایک "ھمشیر ادارے" ھرجینا سالٹ کمپنی کو دے رکھا ھے - وہ روزمرہ کے مصارف بھی نیشنل بنک سے اوور ڈرافٹ کے ذریعے پورا کرتے ھیں -

پاکستان فرٹیلائزرز اینڈ کمپنی

یہ کمپنی فاسفیٹ کھاد تیار کرتی ھے - ۱۹۷۰ء میں حکومت نے اسے ھدایت کی کہ ایمونیم کھاد تیار کرے - اسپر ۸ کروڑ ۵ لاکھ روپیہ خرچ آنے گا - ۱۹۷۱ء میں جرمنی نے امداد کا وعدہ کیا - لیکن مشینری کا آرڈر نہ دیا جا سکا - اسکے بعد بنک سے درخواست کی گئی کہ لیٹر آف کریڈٹ کھولنے میں مدد کرے - جہاں تک مواد خام کا تعلق ھے ایمونیا اور فاسفورک ایسڈ ایران سے درآمد کئے جائیں گے - ابھی تک نہ تو کارخانے کا آرڈر دیا جا سکا ھے، نہ خام مال منگوایا گیا ھے -

کریمی انڈسٹریز

یہ کمپنی پشاور میں لوھے اور فولاد کی مصنوعات (ٹرانسمشن ٹاور سریا اور زرعی اوزار) بناتی ھے - پہلے یہ پرائیوٹ ادارہ تھا اب مشترک سرمایہ کی عوامی کمپنی ھے - اس نے اپنے کارخانے میں کافی توسیع کر لی ھے - بجلی کی بھٹیاں روس سے آئیں گی - تا ھم جو کارخانہ ۱۹۷۱-۷۲ء میں

درآمد کیا گیا تھا وہ ابھی تک نصب نہیں ہو سکا ۔ کمپنی اپنا سارا مال نیشنل بنک کے پاس رھن رکھ کر فروخت کرتی ھے ۔ اسنے کئی سال سے جو ادھار لے رکھا ھے وہ ابھی تک ادا نہیں ہو سکا ۔

ماڈل سٹیل ملز

یہ کمپنی گو ۱۹۶۳ء میں قائم ھوئی ۔ تا ھم اس نے کاروبار ۶۵ء میں شروع کیا ۔ اس نے اپنا کارخانہ ۴۰ لاکھ روپیہ پکک سے ادھار لیکر درآمد کیا تھا ۔ یہ مل خام لوھا درآمد کر کے پائپ تیار کرتی ھے ۔ اسکی سالانہ پیداور بارہ ھزار ٹن ھے ۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق اسکے ڈائرکٹروں اور حصہ داروں کے مالی مفاد بہت سے ڈیلروں کے ساتھ وابستہ ھیں ۔ اسی لئے سول اجنسی کسی ایک کو نہیں دی گئی کمپنی کے حسابات کی پڑتال بھی گذشتہ دو سال سے نہیں ھوئی ۔ سرکاری تحویل میں لینے سے پہلے ڈائرکٹروں نے اپنا روپیہ بنکوں سے نکلوا لیا تھا ۔ اسکے بعد یہ کارخانہ بند پڑا رھا ۔ معلوم ھوا ھے کہ اس کمپنی کو بھی بنکوں سے لاکھوں روپیہ بہ آسانی ملتا رھا ۔

راولپنڈی الیکٹرک کمپنی

راولپنڈی الیکٹرک کمپنی کا انتظام ایک چیئرمین اور

مینیجنگ ڈائرکٹر اور چار ڈائرکٹروں کے سپرد ھے ۔ ایک ڈائرکٹر مینیجنگ ڈائرکٹر کا اپنا بیٹا ھے ۔ لیکن دونوں فنیات (ٹیکنالوجی) سے نا بلد ھیں اسلئے یہ کمپنی تقسیم برق کے سلسلے میں اپنی اھلیت ثابت نہیں کر سکی ۔ کمپنی کا ادا شد سرمایہ ۷۰ لاکھ ۶۹ ھزار روپیہ ھے لیکن وہ اپنے کاروبار کے لئے ۱۲ لاکھ ۸۵ ھزار روپیہ اوور ڈرافٹ لے چکی ھے ۔ کمپنی کے ذمے ۵۰ لاکھ قرض اور ۸۴ لاکھ ۹۲ ھزار موجبات ھیں ۔ اسکے مقابلے میں اثاثہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ سے زیادہ نہیں ۔ مقروض ھونے کے باعث یہ کمپنی کوئی ترقی نہیں کر سکی ۔ کمپنی کے کام کے بارے میں کوئی بھی مطمئن نظر نہیں آتا ۔

باب ۷

پرانے قیصر اور نئے فغفور

پیپلز پارٹی کی حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی صنعتی و تجارتی ملوکیت کے استیصال کے لئے چند اصلاحی اقدامات کئے - لیکن جیسا کہ صدر بھٹو نے ۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو ایمسٹرڈم کے اخبار نویس کے سامنے اعتراف کیا آن کا اثر زیادہ سے زیادہ بیس فیصد صنعتوں پر ہوا ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ ۸۰ فیصد مہمات معاشی اصلاحات کے دائرۂ کار سے باہر رہ گئی ہیں - ان حالات میں اگر صنعتی بے چینی نہ پھیلتی تو کیا ہوتا ؟ معاشی اصلاحات کے حکم نامہ ۱۹۷۲ء کے تحت آن تمام صنعتوں کے اجازت ناموں پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا جن کے متعلق شبہ تھا کہ وہ رشوت خوری ، بدعنوانی اور دوست پروری کے جذبہ کے تحت قائم کی جانے والی ہیں اور ۳۲ ایسی صنعتوں

کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا جن کو ایک حد تک ''بنیادی،، کہا جا سکتا ہے - اس کے علاوہ وہ تمام مینیجنگ ایجنسیاں ختم کر دی گئیں جن کا تانا بانا کروڑ پتی خانوادوں نے اپنا اجادارانہ تسلط جمانے کے لئے تیار کیا تھا - پھر تاجروں اور صنعت کاروں کو حکم دیا گیا کہ جو زرمبادلہ انہوں نے غیر ممالک کے بنکوں میں خفیہ طور پر جمع کر رکھا ہے اسکا اعلان کریں اور اسے واپس لائیں - اس کے علاوہ اشیائے ضروریہ کی قیمتوں پر قابو پانے کی کوشش کی گئی - محنت کشوں کو مطمئن کرنے کے لئے ان کی اجرتوں اور معاوضوں میں اضافہ کیا گیا اور پنشن بونس اور طبی سہولتوں کے علاوہ ان کا ''مزدورانہ وقار،، بحال کرنے کی کوشش کی گئی - اسکے ساتھ ہی رشوت خور اور بددیانت سرکاری افسروں کو ملازمت سے الگ کر کے عام سرکاری ملازموں (فوج اور پولیس کے علاوہ) کی بنیادی تنخواہوں پر نظر ثانی کی گئی اور یقین دلایا گیا کہ اب کسی کا استحصال نہیں ہوگا بلکہ سب کو یکساں طور پر روٹی ، مکان اور کپڑا فراہم کرنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں گے - لیکن کیا ان اقدامات کے بعد وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اب پاکستان میں کروڑ پتی خانوادوں کی کوئی گنجائش نہیں رہی اور ایک ایسا معاشرہ معرض وجود میں آ رہا ہے جس میں ''محمود و ایاز،، ایک ہی صف میں کھڑے

ہوں گے ؟

محولہ صنعتوں کا انصرام

ساڑھے دس کروڑ روپے کی مالیت کے ۱۹ صنعتی اداروں کے اجازت ناموں کی تنسیخ پر تو کسی نے بھی آنسو نہیں بہائے کیونکہ اُن کے منتظموں کی فہرست میں مسمات نور جہاں ، زینب بی بی ، صفی انور ، رضیہ ارشد ، سراجہ خاتون ، کلثوم سیف‌اللہ اور رانی رحمان وغیرہ کے اسمائے گرامی پڑھتے ھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ سابقہ فوجی حکومت نے یہ کارخانے کھولنے کی اجازت کس بنا پر دی ؟ لیکن بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا پاکستان میں پارچہ بافی ، ادویہ سازی ، کھاد اور موٹروں کے کارخانے کھولنے کی گنجائش موجود ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو ظاہر ہے کہ اعتراض صرف انتظامیہ کی ہیئت ترکیبی پر تھا جو دور کر دیا گیا ۔ اب یہی کارخانے قومی ملکیت کے تحت لا کر چلائے جائیں تو اُن سے معیشت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ ان تمام مجوزہ اداروں کے ڈائرکٹروں میں کوئی نہ کوئی کروڑ پتی خانوادہ موجود ہے ۔ مثلاً فاروق ٹیکسٹائل ملز میں رفیق سہگل اور سومار ، مہر پٹرولیم گیس میں روشن علی بھیم جی ، پنجاب فرٹیلائزر اور اسماعیل سیمنٹ میں مغیث شیخ اور ہمایوں شیخ ، ریاض دولتانہ ۔ اٹلس آٹوز میں جنرل حبیب‌اللہ اور یوسف شیرازی ۔ ہارون انڈسٹریز میں

سعید ہارون اور خواجہ رحمان وغیرہ ۔ ظاہر ہے یہ ڈائرکٹر بدل دیئے جائیں تو تمام صنعتی اداروں کو بہ آسانی ”عوامی“ بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ جو سرمایہ پکک اور آئی ڈی بی پی بڑے صنعت کاروں کی جھولی میں ڈال رہے تھے وہ مزدور انجمنوں کو مل سکے ۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ابھی تک حکومت نے اُن ۳۲ صنعتوں کو بھی قومیانے کی کوشش نہیں کی جو اسنے چند ماہ پہلے اپنی تحویل میں لی تھیں اسلئے یہ توقع کس بنا پہ رکھی جائے کہ حکومت کا مقصد ”سرکاری شعبہ“ کو مضبوط بنانا نہیں ہے ”قومی ملکیت“ قائم کرنا ہے ؟ شروع میں ان صنعتوں کے انتظام و انصرام کے لئے سرکاری افسر مقرر کر دیئے گئے تھے اور اسکا جواز یہ بتایا گیا کہ وہ اپنے تجربے کی بنا پر ان صنعتوں کی اندرونی صورت حال کا جائزہ لیں گے ۔ لیکن جو رپورٹ انہوں نے پیش کی اسکے متعلق اخبارات میں بتایا گیا ہے کہ وہ ”کاسٹ“ اور ”چارٹرڈ“ اکاؤنٹنٹوں نے تیار کی اور اسکا کئی لاکھ روپیہ معاوضہ لیا ۔ لیکن یہ رپورٹ نامکمل اور اغلاط سے پر ہے ۔ اسلئے اب دوبارہ لاکھوں روپیہ فیس دے کر ان صنعتوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے ۔ اسی ایک واقعہ سے سرکاری مینیجنگ ڈائرکٹروں کی اہلیت کارکردگی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اگر مزدوروں اور کاریگروں

نے ''بیورو کریٹ،، کے تقرر پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے تو
اُس پر تعجب نہیں ہو سکتا ۔

وزیر خزانہ نے ''تربیت یافتہ مینجروں اور مہم اندوزوں
کا خلا،، پر کرنے کے لئے (حالانکہ معتوب خانوادوں کے زمانہ
میں بھی یہ ''خلا،، پایا جاتا تھا اور اُن کے جانے سے کوئی
نیا ''خلا،، پیدا نہیں ہوا) ایک ہزار افراد کی ایک فہرست
تیار کی اور اُن میں سے مقبوضہ صنعتوں کو چلانے کے لئے قابل
افراد منتخب کئے ۔ تاہم جب تک نئے مالی گوشوارے تیار نہ
ہو جائیں یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ افراد اپنے فرائض کو
کس حد تک کامیابی کے ساتھ سرانجام دے سکے ہیں ؟ وزیر خزانہ
نے ایک بیان میں یہ بھی بتایا تھا کہ مقبوضہ صنعتوں
میں جو افراد منتظم یا نگراں کی آسامیوں پر فائز ہیں اُن میں سے
تین ہزار کی قابلیت کا امتحان لیا گیا تو بہت کم معیار پر پورے
اُترے ۔ ظاہر ہے یہ صورت حال بے حد تشویش ناک ہے ۔
اسلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ ایڈمنسٹریٹو اور
کمرشل کالجوں اور اداروں میں توسیع کی جائے اور اُن میں
کاروباری انتظامیہ کی اعلیٰ تربیت دینے کا پورا اہتمام کیا
جائے ۔

حکومت نے مقبوضہ صنعتوں کو چلانے کے لئے ایک
بورڈ بھی قائم کیا ہے ۔ لیکن ظاہر ہے یہ اسی صورت میں

مؤثر ہو سکتا ہے کہ تمام موجودہ اور سابقہ کارخانوں کے
انتظامی معیار کو بلند کرنے کے لئے فوری طور پر کوئی قدم
اُٹھایا جائے ۔

بدقسمتی سے جو ۲۹ کارپوریشنیں پہلے ہی حکومت کے
زیر نگرانی قائم ہیں ۔ اُن کا معیار کارکردگی بھی ابھی تک بلند نہیں
ہو سکا ۔ ان کارپوریشنوں کے تحت جو صنعتی ادارے چل رہے
ہیں اُن میں بنک ، بیمہ کمپنیاں ، پٹرولیم ، برقاب ، ٹیلیفون ،
ٹیلی ویژن ، ہوائی اور بحری جہاز سب شامل ہیں ۔ لیکن
۷۱-۱۹۷۰ء کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ اُن میں سے اکثر
خسارے کا سودا ہیں اور بدنظمی اور نااہلی کی بنا پر ضرب المثل
بن چکے ہیں ۔ سرکاری افسروں کی اسی کارکردگی سے مایوس
ہو کر سابقہ حکومتوں نے ان میں سے بعض ادارے نجی
سرمایہ کاروں کے ہاتھ فروخت کر دینے کا فیصلہ کیا ۔ چنانچہ
انڈسٹریل ڈویلپمنٹ کارپوریشن کے ۵۸ کارخانوں میں سے ۲۰
کارخانے فروخت کئے جا چکے ہیں (یہ الگ بات ہے کہ سابق
صدر ایوب کے زمانہ میں یہ سودے بھی کنبہ پروری اور
اقربانوازی کے شاہکار ثابت ہوئے) اور ۳۸ ابھی تک کارپوریشن
کی تحویل میں ہیں ۔ ایک تازہ رپورٹ (۵ اپریل ۱۹۷۲ء) میں یہ
دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ سرکاری شعبہ کے اکثر کارخانے
اب فائدے میں جا رہے ہیں ۔ لیکن جو اعداد و شمار پیش کئے

گئے ہیں اُن کے مطابق ان کارخانوں کی شرح منافع ۶۸-۱۹۶۷ء
میں اگر ۸۰۲ فیصد تھی تو ۶۹-۱۹۶۸ء میں ۱۶۷۱ رہ
گئی ۔ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا ۔

موجودہ حکومت نے برسراقتدار آتے ہی ''خود مختار اداروں کا محکمہ'' ختم کر دیا اور ''واپڈا'' اور ''پڈک'' WPIDIC کو براہ راست حکومت کے محکمہ صنعت کے سپرد کر دیا ۔ سرکاری شعبہ کی بائیس کارپوریشنوں میں ۴۴۰۵۷ کروڑ روپیہ عوام کا اور ۱۰۹۵۷ کروڑ حکومت (یعنی ٹکس دہندوں) کا لگا ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ حکومت ان اداروں کو ۲۶۶۰۷ کروڑ روپیہ بطور قرض بھی دے چکی ہے ۔ کہا گیا تھا کہ یہ ادارے یا تو کلیدی حیثیت رکھتے ہیں یا ایسے ہیں کہ اُن پر سرمایہ لگانا نجی مہم اندوزوں کے بس کی بات نہیں ۔ لیکن ان اداروں کو عدل و انصاف کے اصول پر چلانا تو بڑی بات ہے ابھی تک اُن کو ایک سرکاری محکمہ کے سپرد کرنے کا جواز بھی ثابت نہیں کیا جا سکا ۔ موجودہ حکومت نے صنعت و تجارت کو قومی ملکیت میں لینے کا تہیہ کیا ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے اُن اداروں کو مثالی بنایا جائے جو اب سرکاری تحویل میں لئے گئے ہیں یا پہلے سے سرکاری شعبہ میں شامل ہیں ۔ ورنہ یہی کہنا پڑے گا ۔ ع

قیصر جو تھے پرانے وہ نابود ہو گئے
اُن کی جگہ نئے نئے فغفور آ گئے

کیا خانوادے ختم ہو گئے ؟

کروڑ پتی خانوادوں کا زور توڑنے کے لئے حکومت نے بعض صنعتوں کو اپنی تحویل ہی میں نہیں لیا ، مینیجنگ ایجنسی سسٹم بھی ختم کر دیا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ اب بڑے بڑے خانوادوں کی پرورش کا دور ختم ہو گیا ۔ ۳۰ جون ۱۹۷۱ء تک کراچی سٹاک ایکسچینج کی فہرست میں ۳۱۰ کمپنیوں کے نام درج تھے جن کا مجموعی ادا شد سرمایہ چار ارب ۲۵ کروڑ ۱۷ لاکھ روپیہ اور اثاثہ چھ ارب ۱۸ کروڑ ۹۴ لاکھ روپیہ بنتا ہے ۔ تفصیل ملاحظہ ہو ۔

شعبہ	کمپنیوں کی تعداد	ادا شد سرمایہ	بالمقطع اثاثہ
بنک	۱۳	۳۶ کروڑ ۱۵ لاکھ	۷۹ کروڑ ۳۴ لاکھ
سیمنٹ	۵	۱۳ کروڑ ۳۰ لاکھ	۲۰ کروڑ ۹۰ لاکھ
کیمیکل	۱۱	۳۲ کروڑ ۷۹ لاکھ	۳۴ کروڑ ۳ لاکھ
تعمیر	۳	ایک کروڑ پچاس لاکھ	ایک کروڑ ۹۸ لاکھ
بجلی	۴	۷۱ کروڑ ۶۶ لاکھ	۲۲ کروڑ ۱۵ لاکھ
انجینئرنگ	۲۱	۱۶ کروڑ ۹۲ لاکھ	۲۵ کروڑ ۲۰ لاکھ
گیس	۳	۱۷ کروڑ ۸۲ لاکھ	۲۰ کروڑ ۶۶ لاکھ
بیمہ	۲۰	۴ کروڑ ۳۳ لاکھ	۶ کروڑ ۱۴ لاکھ
سرمایہ کاری	۵	۶ کروڑ ۵۰ لاکھ	۶ کروڑ ۵۰ لاکھ
پٹ سن	۲۴	۳۹ کروڑ ۴۱ لاکھ	۵۴ کروڑ ۸۷ لاکھ
فروخت تیل	۶	۱۱ کروڑ ۴۱ لاکھ	۱۳ کروڑ ۲ لاکھ
صنعتی تیل	۴	۱۹ کروڑ ۳۱ لاکھ	۲۲ کروڑ ۳۴ لاکھ
کاغذ اور گتہ	۹	۱۶ کروڑ ۴۳ لاکھ	۲۱ کروڑ ۹۵ لاکھ

ادویہ	۴	۶ کروڑ ۲۳ لاکھ	۸ کروڑ ۵۳ لاکھ
قند سازی	۱۸	۲۹ کروڑ ۲۶ لاکھ	۴۱ کروڑ ۹۶ لاکھ
سوتی پارچہ باف	۸۰	۷۴ کروڑ	ایک ارب ۵ کروڑ ۳۵ لاکھ
ریشمی پارچہ باف	۱۴	۱۶ کروڑ ۶۲ لاکھ	۲۰ کروڑ ۱۷ لاکھ
اونی پارچہ باف	۴	۲ کروڑ ۶۷ لاکھ	۳ کروڑ ۵۶ لاکھ
تمباکو	۷	۱۴ کروڑ ۱۶ لاکھ	۲۵ کروڑ ۳۱ لاکھ
ٹرانسپورٹ	۹	۲۷ کروڑ ۹۲ لاکھ	۳۹ کروڑ ۷ لاکھ
بناسپتی گھی	۱۲	۶ کروڑ ۶۲ لاکھ	۷ کروڑ ۴۷ لاکھ
متفرق	۳۴	۲۸ کروڑ ۱۴ لاکھ	۳۸ کروڑ ۸۵ لاکھ
میزان	۳۱۰	۴ ارب ۲۵ کروڑ ۱۷ لاکھ	۶ ارب ۱۸ کروڑ ۹۴ لاکھ

ان میں سے ۱۵۸ کمپنیاں ایسی ہیں جن کا انتظام مینیجنگ ایجنٹوں نے سنبھال رکھا ہے اور باقی ۹۲ براہ راست کام کر رہی ہیں۔ (مکمل فہرست ایک سابقہ باب میں درج کی جا چکی ہے)۔ حکومت کے اقدام سے یہ بے شک ہو سکتا ہے کہ ایک خانوادے کے لئے مینیجنگ ایجنٹ بننا ممکن نہ رہے لیکن اسے ایک سے زائد کمپنیوں کا مالک بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک ایک کمپنی نے دو دو۔ چار چار کمپنیوں کا انتظام سنبھال رکھا ہے۔ مثلاً ذیل کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔

نام	زیر انتظام فرموں کی تعداد
۱ - داؤد	۴

۲ - سہگل	۳
۳ - آدم جی	۳
۴ - حبیب	۱
۵ - حسینی انجینئر	۴
۶ - محمد امین محمد بشیر	۳
۷ - ولیکا	۵
۸ - احمد شپنگ ایجنسیز	۱
۹ - احمد شپنگ کارپوریشن	۱
۱۰ - امین ایجنسیز	۴
۱۱ - نصیر مغیث	۲
۱۲ - احمد برادرز	۴
۱۳ - انڈسٹریل مینیجمنٹ فاروق	۳
۱۴ - بیکو	۲
۱۵ - فاروق سہیل	۲
۱۶ - حنی سنز کمرشل کارپوریشن	۱
۱۷ - حنی سنز میک	۱
۱۸ - بلوچی سروسز (گندھارا)	۲
۱۹ - نشاط انٹرپرائز	۱
۲۰ - نشاط کارپوریشن	۳
۲۱ - خیر ایجنسیز	۲

۲۲ - سلور ایجنسیز ۱

۲۳ - سٹرنگ ایجنسیز ۱

۲۴ - فتح محمد اکبر ۲

۲۵ - دادا ۱

۲۶ - ایم ایم اصفہانی ۲

۲۷ - حسین ابراھیم ایجنسیز ۲

۲۸ - جلیل کارپوریشن ۲

۲۹ - ریاض و خالد ۲

۳۰ - ھوتی ۳

۳۱ - فاروق ۱

۳۲ - نون ۱

۳۳ - مولا بخش ۱

دس بنیادی صنعتوں کو سرکاری تحویل میں لینے سے جن خانوادوں کو نقصان پہنچا ہے اُن کے نام یہ ھیں :

نام	کارخانہ	سرمایہ
۱ - ولیکا ٹیکسٹائل	سٹیل ورکس	۱۶ کروڑ
۲۵ کروڑ	: کیمیکل	۹ کروڑ
۲ - سہگل ۲۰ کروڑ	: کوہ نور ریان	۱۹٫۴۴ کروڑ
۳ - نصیر علی شیخ	اسماعیل سیمنٹ	۹٫۸۵ کروڑ
۲۰ کروڑ	: پاکستان سیمنٹ	۸٫۹۱ کروڑ

ملتان الیکٹرک ۳۸٫۵۴ لاکھ

۴ - فینسی گروپ ۱۹٫۳۵ کروڑ

۵ - سی ایم لطیف ۱۲٫۵۳ کروڑ

۶ - کراچی گیس ۶٫۸۵ کروڑ

۷ - سٹیل کارپوریشن ۲٫۵۰ کروڑ

۸ - سردار بہادر خان :

۹ - ظفرالاحسن : ۵٫۸۰ کروڑ (انڈس کیمیکلز)

۱۰ - جنرل حبیب اللہ : ۳٫۵۰ کروڑ (گندھارا)

۱۱ - گوھر ایوب : (عروسہ)

یاد رہے کہ حکومت نے ابھی تک بعض صنعتوں کو سرکاری تحویل میں لیا ہے اور سب کی مینیجنگ ایجنسیاں ختم کر دی ھیں لیکن جن کروڑ پتی خاندانوں نے اپنا روپیہ لگا رکھا تھا اُن کے حصص ضبط نہیں کئے ۔ لھٰذا یہ کہنا عبث ہے کہ حکومت کے اقدام سے کوئی بھی خانوادہ ختم ھوا ہے ۔ زیادہ سے زیادہ بعض صنعتوں پر اُن کا براہ راست انضباتی تعلق جاتا رہا ہے ۔ اُن کو اپنی مہمات کے مالکانہ حقوق سے دستبردار نہیں ھونا پڑا ۔ حکومت نے ابھی تک یہ طے نہیں کیا کہ بڑے بڑے صنعت کاروں نے ذاتی ضمانت پر جو قرض ملکی یا غیر ملکی بنکوں سے لے رکھا تھا اُس کی ادائیگی کا ذمہ دار کون ہے ؟ اور اگر خانوادے بدستور اپنے اداروں کے مالک ھیں تو حکومت

کے اقدام سے بجز اس کے کیا حاصل ہوا کہ چند کارخانوں کا انتظام اس نے خود سنبھال لیا ہے ۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ حکومت نے جو بھی قدم اٹھایا وہ ''قومی ملکیت کے تصور سے ابھی کوسوں دور ہے ۔

زرمبادلہ کا سکینڈل

حکومت نے احتکار اور اکتناز کے خاتمہ کے لئے ایک اور قدم یہ اٹھایا کہ جن بڑے بڑے صنعت کاروں نے اپنا زرمبادلہ غیر ممالک میں جمع کر رکھا تھا وہ ان سے واپس لے لیا ۔ لیکن یہ مہم کس حد تک کامیاب رہی ؟ اس کا اندزہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے خانوادوں کے پاسپورٹ ضبط کرنے اور مارشل لا کے تحت کارروائی کی دھمکی دینے کے باوجود صرف بارہ کروڑ کا زرمبادلہ حاصل ہو سکا ۔ (جس میں سے بونس کی رقم خارج کر دی جائے تو آٹھ کروڑ روپیہ رہ جاتی ہے) ۱۹۵۸ء میں اسی نوعیت کی مہم چلائی گئی تو ۱۷ کروڑ روپیہ کا زرمبادلہ جمع ہوا تھا ۔ ۱۹۶۹ء میں یہ رقم ۲۳ کروڑ تک پہنچ گئی ۔ وزیر خزانہ کا اندازہ تھا کہ ۱۹۶۹-۷۰ء کی گڑبڑ میں اس سے بھی بہت زیادہ سرمایہ غیر ممالک کی تجوریوں میں منتقل کیا گیا ہے ۔ لیکن اگر سختی کے باوجود یہ برآمد نہیں ہو سکا تو ظاہر ہے کہ تمام اندازے غلط ثابت ہوئے ۔ بایں ہمہ غور طلب بات یہ ہے کہ زرمبادلہ کی چوری

کیوں ہوتی ہے اور اسکا انسداد کس طرح ہو سکتا ہے ؟ اسکا جواب یہ ہے کہ زرمبادلہ کے ناجائز تصرف کی گنجائش خود حکومت کی تجارتی اور مالی پالیسیوں میں موجود ہے ۔ جب تک اسکی اصلاح نہیں کی جائے گی زرمبادلہ کے ضیاع کو روکنا نا ممکن ہو گا ۔

ابتدا میں پاکستان کی بیرونی تجارت قریب قریب مساوی تھی ۔ ایک ارب ۱۹ کروڑ روپے کا مال برآمد اور ایک کروڑ ۲۹ لاکھ روپے کا مال درآمد کیا جاتا تھا ۔ ۵۰-۵۱ء میں جب کوریا کی جنگ چھڑی تو پاکستان کی خام اجناس (پٹ سن اور کپاس) کی مانگ بڑھ گئی اور اسے اپنی برآمد میں اضافہ کرنے کا موقع مل گیا ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جو زائد آمدنی ہوئی اسے تعمیری کاموں کیلئے محفوظ رکھا جاتا لیکن اس وقت کی حکومت نے درآمدی تجارت پر سے پابندی نرم کر دی جس سے تاجروں نے پورا فائدہ اٹھایا اور سامان تعیش (موٹر ۔ ریڈیو ۔ کھلونے وغیرہ) منگوا کر تمام زرمبادلہ غیر پیدا آور راہوں پر ڈال دیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے بعد جب تجارت سکڑی تو پاکستان کے پاس اتنا روپیہ بھی نہ رہا کہ اپنے ترقیاتی منصوبہ کی تکمیل کے لئے مشینری اور مواد خام منگوا سکے ۔ مجبور ہو کر حکومت نے ۱۹۵۵ء میں روپے کی غیر ملکی قدر دو شلنگ دو پنس سے گھٹا کر ایک

شلنگ چھ پنس کر دی اس سے غیر ممالک کے لئے ہماری برآمدات ارزاں ہوگئیں اور ۵۶-۱۹۵۵ء تک انکی مالیت میں گزشتہ سال کی بہ نسبت ۵٦ کروڑ روپے کا اضافہ ہو گیا ۔ اسی سال پہلے پنجسالہ منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہوا ۔ اسلئے کروڑوں روپے کی مشینری وغیرہ منگوانی پڑی ۔ ادھر ۵۸-۵۷ء میں غذائی قلت کے باعث بھاری مقدار میں غلہ درآمد کرنا پڑا ۔ لیکن درآمدات میں چونکہ اسی تناسب سے اضافہ نہ ہو سکا اسلئے پاکستان کو خارجہ تجارت میں ٦۳ کروڑ روپے کا خسارہ ہوا ۔

خرابیوں کی جڑ - بونس سکیم

اکتوبر ۵۸ء میں فوجی حکومت نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی تو اسنے ایک جرمن ماہر معاشیات کے مشورہ سے برآمدات بڑھانے کے لئے ''بونس سکیم،، نافذ کر دی ۔ جسکے تحت تاجروں کو زر مبادلہ کی آمدنی کا ایک حصہ ملنے لگا ۔ جسکی بنا پر وہ اپنی ضروریات کا سامان باہر سے منگوا سکتے تھے ۔ اس سے روپیہ کی شرح مبادلہ تو اور بھی کم ہو گئی لیکن تاجروں کے لئے اس سکیم میں بڑی کشش پائی جاتی تھی وہ اپنا مال اونے پونے فروخت کرتے اور نقصان کی تلافی نہ صرف زر مبادلہ کی صورت میں ''بونس،، کما کر کر لیتے بلکہ ملک کے اندر قیمتوں میں اضافہ کر کے ایک ایک کے دس دس

بنانے لگے ۔ بونس کے بارے میں یہ رعایت بھی دے دی گئی کہ اسے ''ووچروں،، کی صورت میں کھلے بندوں فروخت کیا جا سکتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سو روپے کا ووچر ڈیڑھ دو سو روپے میں فروخت ہونے لگا جس سے سٹہ بازوں کو خاص طور پر فائدہ پہنچا ۔ ادھر جن درآمدکاروں کو نقد لائسنس نہیں مل سکتے تھے ان کو یہ اجازت دے دی گئی کہ بونس ووچر خرید کر مال منگوا لیں ۔ اس سے نہ صرف بونس ووچروں کی مانگ میں اضافہ ہوا بلکہ درآمدی اشیا کی قیمتوں میں بھی اڑھائی تین گنا اضافہ ہو گیا ۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ ایک طرف تو بونس ووچر پر مال منگوانے والے زیادہ قیمت لگاتے تھے دوسری طرف نقد لائسنس والے بھی اسی بھاؤ مال فروخت کرنے لگے ۔ اسطرح ٦۰ء کے بعد ملکی صارفین پر جو قیامت ٹوٹی اس سے کون بے خبر ہے ؟

غور کیا جائے تو در اصل یہی بونس سکیم تمام تجارتی بے ایمانیوں اور بد دیانتیوں کی جڑ ہے ۔ بونس سکیم کے اجرا سے روپے کی شرح مبادلہ کئی شاخوں میں بٹ گئی ۔ ایک شرح مبادلہ تو سرکاری تھی ۔ دوسری ''چور بازار،، میں مقرر کی جاتی تھی ۔ تیسری بونس کے بھاؤ پڑتی تھی ۔ اگرچہ مالیاتی نقطہ نگاہ سے ایک سے زائد شرح مبادلہ قابل اعتراض نہیں ۔ لیکن اس سے ایک تو قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے

دوسرے چور بازاری اور بد دیانتی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ تیسرے ملکی زر اپنا درجۂ مساوات کھو بیٹھتا ہے اور اسکی بے قدری انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

مالی و معاشی حکمت عملی

لیکن پاکستان کے تاجروں اور صنعت کاروں نے اسکی پروا نہیں کی اور وہ برابر صورت حال سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ صنعتی ترقی میں حصہ لینے کی اجازت انہی لوگوں کو دی گئی جو کوریا کی گرم بازاری سے لاکھوں روپیہ کما چکے تھے۔ ابتدا صنعت پارچہ باف سے ہوئی۔ حکومت نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ بنک کے قرضے، ٹیکس سے چھٹی، زمین، پانی اور برقاب سب اس کے لئے وقف کر دیئے گئے۔ کپڑا چونکہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اسلئے گھٹیا درجے کا کورا لٹھا اور کھدر بھی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوا۔ اور منافع کی اوسط شرح چھ سو فیصد کے لگ بھگ رہی۔ رفتہ رفتہ دوسری صنعتیں قائم ہوئیں۔ روپیہ چونکہ پارچہ باف کے نوابوں کے سوا کسی کے پاس نہ تھا۔ اسلئے ان پر بھی یہی لوگ قابض ہو گئے۔ ٹائر اور ٹیوب کی صنعت پر اندازاً ڈھائی کروڑ روپیہ، سوڈا ایش پر پانچ کروڑ روپیہ، خام پلاسٹک پر ساڑھے چھ کروڑ روپیہ اور کاسٹک سوڈا پر چار کروڑ روپے کی لاگت آئی ہے۔ ظاہر ہے اتنا روپیہ

وہی شخص فراہم کر سکتا ہے جس کی سرکار دربار تک رسائی ہو اور وہ متعلقہ افسروں کی مٹھی گرم کر سکے۔ پھر سرمایہ بندی کے لئے جو بازار حصص قائم ہوا اسپر بھی چند مخصوص افراد قابض تھے۔ اسلئے سرمایہ کاری اور سرمایہ افزائی اگر چند خانوادوں تک محدود ہو کر رہ گئی تو کیا تعجب ہے؟

حکومت کی مالی و معاشی پالیسی سے ایک مخصوص طبقہ نے جو فائدہ اٹھایا اسکی ایک اور مثال یہ ہے کہ ملکی صنعت کے تحفظ کے لئے جو ٹیرف کمیشن مقرر کیا گیا اسکی تمام تر مراعات بھی انہی لوگوں کے لئے وقف رہیں۔ اگر کوئی شخص ٹائر یا ٹیوب بناتا یا کوئی کیمیکل تیار کرتا تو ٹیرف کمشن کو اس بات پر آمادہ کر لیتا کہ اسکے مقابلے میں بیرونی ممالک سے درآمد قطعی بند کر دی جائے اور اسکے ساتھ ھی وہ تجارتی بد دیانتی سے کام لیتے ہوئے ایک آنے کی چیز بارہ آنے میں فروخت کرتا اور اس طرح لاکھوں روپے کما لیتا۔ مثال کے طور پر یہی ''بال پوائنٹ پنسل،، لے لیجئے جس سے اس کتاب کا مسودہ لکھا جا رہا ہے۔ ''پریسٹو،، اچھی بھلی چار آنے میں مل رہی تھی اور اس کے مقابلہ کی ملکی پنسل بھی اسی قیمت میں فروخت ہوتی تھی۔ لیکن جب تحفظ مل گیا تو ''پریسٹو،، کی قیمت چھ آنے ہو گئی اور اسکے مقابلے میں ملکی صنعت کار اپنا مال بارہ بلکہ چودہ آنہ میں

فروخت کرنے لگے ۔ اگر یہ کاروباری بد دیانتی کی انتہا نہیں
تو کیا ھے ؟

اسی طرح ایک صنعت کار نے دعویٰ کیا کہ وہ برق
روشنی کی ٹیوب پونے دو روپے میں تیار کرے گا ۔ لیکن جب
اسے غیر ملکی مقاومت سے تحفظ مل گیا تو اسنے وھی ٹیوب
دس روپے میں بیچنا شروع کر دی ۔ حالانکہ یہی ٹیوب ڈیڑھ
روپیہ میں ھالینڈ سے بہ آسانی درآمد ھو سکتی ھے ۔ اسی طرح
ابتدا میں چینی بہ آسانی بارہ آنے سے لیکر ایک روپیہ سیر تک
مل جاتی تھی ۔ لیکن جیسے جیسے قند سازی کے کارخانوں میں
اضافہ ھوا صنعت کاروں کی حرص و آز اتنی بڑھ گئی کہ وہ
تین ساڑھے تین روپے سیر قیمت فروخت سے بھی مطمئن نہیں
ھیں ۔

سرکاری پالیسی سے کاروباری جرائم میں جو اضافہ ھوا
ھے اسکی ایک اور مثال یہ ھے کہ ۵۵ء میں پارچہ بافی کے
ایک صنعت کار کو جب مل لگانے کی منظوری ملی تو ۳۰
لاکھ روپے کے درآمدی لائسنس بھی ملے ۔ اسنے ۱۹ لاکھ
روپے کی جاپانی مشینری بک کرائی اور ۱۳ لاکھ روپے کے
لائسنس ڈیڑھ سو فیصد منافع پر فروخت کر کے ۱۹ لاکھ
روپیہ کما لیا ۔ مشینری چونکہ بدلتی رھتی ھے اسلئے غیر ملکی
صنعت کار پرانا ڈیزائن اونے پونے فروخت کر کے نیا ڈیزائن

تیار کر لیتے ھیں ۔ پاکستان کے اکثر مل اونروں نے پرانی
مشینری منگوا کر صنعت پارچہ بافی کا آغاز کیا تھا اور اس
طرح انہوں نے کروڑوں روپے کمائے ۔

بیجک کی مالیت

پھر ایسے تاجروں اور صنعت کاروں کی بھی کمی نہیں
جو بیجک میں برآمد کی مالیت کم اور درآمد کی مالیت زیادہ
دکھا کر لاکھوں روپیہ بنا لیتے ھیں ۔ مثال کے طور پر کوئی
شخص مشینری درآمد کرنا چاھتا ھے ۔ اس کی قیمت اگر ایک
کروڑ روپیہ ھے تو بیجک (پروفارما) ایک کروڑ ۲۵ لاکھ
روپیہ کا بنوا لیا ۔ اور اسطرح ۲۵ لاکھ روپے کے زرمبادلہ
کا جو فائدہ ھوا وہ باھر ھی کے کسی بنک میں خفیہ طور پر
جمع رکھا ۔ بیرونی تاجر ایمانداری کا دعویٰ بے شک کرتے
ھیں لیکن ان کو بے ایمانی کا درس دینے والوں کی بھی کمی
نہیں ۔ عام طور پر ھمارے یہاں کے درآمد کاروں نے اپنے دفاتر
باھر کے ممالک میں بھی کھولے ھوتے ھیں ۔ وہ اپنے آدمیوں
کے ذریعہ سے جتنی مالیت کا "پروفارما" درکار ھو بڑی آسانی
کے ساتھ تیار کرا سکتے ھیں ۔ پھر مشینری اور مصنوعات پر
۲۵-۳۰ فیصد کمیشن بھی ملتا ھے ۔ یہ رقم بھی بالعموم
خفیہ رکھی جاتی ھے ۔ پاکستان کروڑوں روپے کا سامان اپنے
فوجی یا غیر فوجی اداروں کے لئے خریدتا ھے ۔ عام طور پر

یہی شکایت سنی گئی ہے کہ جو سرکاری نمائندہ اسے خریدنے
جاتا ہے وہ اپنا کمشن وہیں کھرا کر لیتا ہے ۔ گورنر جنرل
سکندر مرزا سے لیکر سٹیٹ بنک کے گورنر درانی تک اس کاروبار
میں ملوث رہے ہیں ۔ موجودہ حکومت نے جن سرکاری افسروں
کو گرفتار یا ملازمت سے سبکدوش کیا ہے ان میں سے بعض
پر یہی الزام ہے کہ وہ ہوائی جہاز یا کوئی اور سامان خریدنے
گئے تو کمشن کما لیا ، اور اسے اپنے اللے تللے پر خرچ کرتے
رہے ۔

اسی طرح یہ کاروباری چالاکی بھی منظر عام پر آ چکی
ہے کہ پہلے ایک معمولی پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی بنائی یا پھر
اپنے حصے زائد قیمت پر فروخت کر کے پبلک لمیٹڈ کمپنی
قائم کر لی اور اسکا انتظام اپنے ہی خانوادے کے کسی لکھ
پتی کے سپرد کر دیا ۔ ادھر ذاتی مصارف کو انتظامی مصارف
کے کھاتہ میں ڈالدیا ۔ کل پرزوں کی مالیت بڑھا چڑھا کر
دکھائی اور درآمدی لائسنس حاصل کر لیا ، برآمد کے وقت
سو روپے کا مال بیس روپے میں فروخت کر کے اس پر چالیس
فیصد بونس اور امدادی رقوم (سب سڈی) کما لیں ۔ راقم الحروف
کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ جو زری جوتا یا کھوسہ لاهور یا
بہاولپور میں چالیس سے اسی روپے تک ملتا ہے وہ بعض برآمد
کار ایک ایک ڈالر میں برآمد کرتے رہے ہیں ۔ سیالکوٹ میں

جو ٹینس ریکٹ ۳۵ روپیہ میں ملتا ہے وہ پانچ روپیہ میں باہر
بھیجا جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں شرق الاوسط یا افریقہ
میں پاکستان کا کپڑا دو روپے گز اور چاول بیس روپے من
مل جاتے ہیں ۔ وہاں مقامی طور پر یہ تین گنا بھاؤ پر فروخت
ہو رہے ہیں ۔ پاکستان میں کئی صنعتیں ایسی ہیں جن کی
مقامی لاگت عالمی لاگت کے مقابلہ میں کئی گنا ہے ۔ لیکن
وہ محض اسلئے قائم ہیں کہ ان پر بونس کمایا جا رہا ہے ۔
مثلاً چینی کا عالمی بھاؤ ۸ آنے سیر ہے لیکن مقامی لاگت
پونے دو روپے سیر سے کم نہیں اسی طرح سوت پر ۳۱ روپے
فی بونڈ لاگت آتی ہے لیکن وہ پانچ روپے میں برآمد کیا
جاتا ہے ۔ یہی حال انجینئرنگ اور بجلی کے سامان کا ہے ۔
ظاہر ہے اس تمام کاروباری خیانت اور بد دیانتی کی حوصلہ
افزائی سرکاری پالیسی ہی کی مرہون منت ہے ۔ موجودہ حکومت
نے چند صنعتوں کو سرکاری تحویل میں تو لے لیا ۔ لیکن تجارتی
و صنعتی پالیسی میں کوئی خاص رد و بدل نہیں کیا ۔ ان
حالات میں اگر کروڑ پتی خانوادے بدستور بر سر اقتدار رہیں
اور احتکار و اکتناز میں برابر اضافہ ہوتا رہے تو اس میں قصور
کس کا ہے ؟

محنت اور معاوضہ

جہاں تک عوام (صارفین) کا تعلق ہے انکو سرکاری

اقدامات سے مطلق فائدہ نہیں پہنچا ۔ مغربی پاکستان میں ساٹھ فیصد کے قریب لوگ بے روزگار ہیں ۔ ان کی بے روزگاری میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی ۔ اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں دس سال کے اندر ۱۶۰ فیصد تک اضافہ ہو چکا ہے ۔ ذیل کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے ۔

۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک
قیمتوں میں اضافہ کی شرح

آٹا گندم	۵۶ فیصد
چاول موٹا	۳۵ ,,
دال مونگ	۱۳۳ ,,
چنا	۱۲۴ ,,
گوشت بکرا	۱۲۶ ,,
گوشت بڑا	۱۱۳ ,,
مچھلی	۱۵۸ ,,
دودھ	۶۲ ,,
گھی خالص	۵۵ ,,
آلو	۲۰ ,,
ٹماٹر	۲۶ ,,
شکر دیسی	۵۲ ,,

اس دوران میں اگر اقل اجرتوں یا تنخواہوں میں اضافہ

بھی کیا گیا ہے تو اس سے گرانی کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ۔ سرکاری معلومات کے مطابق مغربی پاکستان میں ایک کنبے کا خرچ دو سو بیس روپے ہے لیکن اقل اجرت ۱۱۵ بھی نہیں ہے۔ موجودہ حکومت نے تنخواہوں کا معیار بے شک بڑھایا ہے اور اقل اجرت ۱۲۵ روپے کر دی ہے ۔ لیکن اسکی حیثیت سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں ہے ۔ اشیائے ضروریہ کی قیمتوں کے اعداد و شمار تو بڑے اہتمام سے جمع کئے گئے اور بازار پر نگاہ رکھنے کے احکام بھی صادر ہوئے۔ لیکن بہم رسانی کے بڑے بڑے اداروں ، سٹاکسٹوں اور بائیس خاندانوں کے دلالوں کو چونکہ ختم کرنے کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا گیا اسلئے نتیجہ ظاہر ہے ۔ اشیائے ضروریہ کے نرخ آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں اور کبھی چینی غائب ہو جاتی ہے ، کبھی مصنوعی گھی نایاب ہو جاتا ہے ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مزدوروں کی اجرتوں میں تو اضافہ کر دیا گیا ہے ، ان کو اختیارات سے بدستور محروم رکھا گیا ہے ۔ اس صورت حال سے مل مالکوں نے پورا فائدہ اٹھایا ہے ۔ وہ اپنے کارخانے بند کر کے بیٹھ گئے ہیں اور نہ تو خود پیداوار میں اضافہ کرنے پر آمادہ ہیں ، نہ مزدوروں کو یہ اجازت دیتے ہیں کہ کارخانے پوری استعداد سے چلائیں ۔ ان کو اعتراض یہ ہے کہ مزدوروں کی آجرت بڑھانے سے ان کی لاگت میں اضافہ ہو گیا

ہے ۔ حالانکہ لاگت میں اتنا اضافہ نہیں ہوا جتنا ان کا منافع
کم ہو گیا ہے ۔ اگر وہ حرص و آز چھوڑ کر اپنے آپ کو
نئے حالات کے مطابق ڈھالیں اور صرف اتنا معاوضہ طلب کریں
جتنا ''مہم کاری،، کا ہو سکتا ہے تو پیداوار بھی بڑھ سکتی
ہے اور نرخ بھی حد اعتدال کے اندر رہ سکتے ہیں ۔ جیسا کہ
وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن نے یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء کو
اپنے بیان میں واضح کیا تھا مفاد پرست صنعت کاروں کو یہ
بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئیے کہ نئے نظام کے
تحت حق ملکیت کا تصور بدل چکا ہے ۔ اب ان کو غیر محدود
نفع اندوزی کا استحقاق نہیں رہا ۔ وہ پہلے کی طرح سرمایہ میں
توسیع تو ایک طرف ، اپنے آپ کو دیوالیہ قرار دینے کے لئے
بھی آزاد نہیں رہے ۔

غرض پاکستان میں اگر اجارہ داری اور اکتناز دولت
کے رجحانات پیدا ہوئے تو اسکی ذمہ داری سابقہ حکومتوں کی
مالی و تجارتی پالیسیوں پر عائد ہوتی ہے ۔ اب اگر نئی حکومت
نے یہ رجحانات ختم کرنے کا تہیہ کیا ہے تو ادھورے اقدامات
سے مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ۔ پیپلز پارٹی نے ''مساوات محمدی،،
کے نام سے ''اسلامی سوشلزم،، کو اپنا نصب العین قرار دے
رکھا ہے ۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ نیا نظام نافذ
کرنے کے لئے وسیع الاثر اور انقلابی اقدامات عمل میں لائے

جائیں ۔ اب تک حکومت نے جو کچھ کیا ہے اس سے عوام
کے آنسو بھی نہیں پونچھے جا سکتے ۔ صرف بیس فیصد صنعتوں
کو سرکاری تحویل میں لانے سے ''اسلامی سوشلزم،، نافذ نہیں
ہو سکتا ۔ اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے ایک
''اشتراکی بنیاد،، قائم کی جائے جس پر رفتہ رفتہ پوری عمارت
تعمیر ہو سکتی ہے ۔ ورنہ وہی حشر ہو گا جو لاطینی امریکہ
میں چلی کا ہو چکا ہے ۔ اجرتوں اور تنخواہوں میں اضافہ بھی
دل خوش کن ہے لیکن جب تک اسی تناسب سے پیداوار
بڑھانے کی کوشش نہ کی جائے نہ تو افراط زر پر قابو پایا جا
سکتا ہے نہ قیمتوں میں تخفیف کی جا سکتی ہے ۔ پھر یہ بھی
دیکھنا ہے کہ پیداوار بڑھانے کے لئے فضا بھی سازگار ہے یا
نہیں ؟ ۱۹۷۲ء میں بازار حصص کئی ماہ تک بند پڑا رہا
جس میں نہ تو سرمایہ بندی ہوئی ، نہ سرمایہ کاری ۔ یہی حال
درآمد و برآمد کے محاذ پر رہا ۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پسندی
کا فائدہ مغربی پاکستان کو پہنچا اور اسکی برآمد میں اضافہ ہو
رہا ہے لیکن جب تک قدر زر مستحکم نہیں ہو گی اور دوسرے
ممالک سے تجارتی روابط صحیح خطوط پر استوار نہیں کئے جائیں
کے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ اب مغربی پاکستان کی بیرونی
تجارت کے طفیل ''معاشی نمو،، کے تمام مراحل طے ہو جائیں
گے ۔

باب ۸

اسلامی سوشلزم کی طرف

پاکستان میں اگر قومی دولت چند خانوادے سمیٹ کر بیٹھ گئے ہیں اور معاشرہ اپنا توازن کھو بیٹھا ہے تو اس میں شخصی حرص و آز کو اتنا دخل نہیں جتنا اس نظام کو ہے جو ۲۵ برس تک پاکستان پر مسلط رہا ۔ قائداعظم اور خان لیاقت علی کی وفات کے بعد جب نوکر شاہی نے پر پرزے نکالے اور محمد علی بوگرہ کی قیادت میں اپنا سب کچھ امریکی استعمار کے پاؤں میں لا ڈالا تو قدرتی طور پر ایک ایسا تجارتی و مالی نظام ظہور میں آیا جس کے تحت یک رخی معیشت جڑیں پکڑنے لگی ۔ اس نظام میں احتکار و اکتناز اور تجارتی بددیانتی و بدعنوانی کے سوا کسی اور چیز تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا ۔ اب اگر معاشرہ کو عدل و انصاف کی راہ پر

ڈالنا مقصود ہے تو اس کے لئے نظام معیشت کو بدلنا ناگزیر ہے ۔ لیکن یہ مقصد نیم دلانہ اقدامات سے پورا نہیں ہوگا ۔ اس کے لئے انقلاب انگیز قوتوں کو پیدا کرنا ہوگا ۔

معاشی نمو کے مراحل

مغربی سرمایہ داری کے ایک ترجمان ڈبلیو ڈبلیو روسٹوو نے بتایا ہے کہ معاشی نمو کے لئے معاشرے کو پانچ ادوار میں سے گزرنا پڑتا ہے — ۱ ۔ ازوایات ، ۲ ۔ ماقبل برخیزی ، ۳ ۔ برخیزی ، ۴ ۔ پختگی اور صرف ۔

روایتی دور میں معاشرہ پیداوار کے محدود تفاعلات سے نشوونما پاتا ہے جن کا دار و مدار نیوٹن کے دور سے قبل کی سائنس اور فنیات پر ہوتا ہے ۔ اس دور میں معاشرے کے وسائل صرف زراعت کے لئے وقف ہوتے ہیں ۔ سماجی تنظیم میں خاندان اور قبیلے کے تعلقات اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ لہذا پوتے کو وہی مواقع میسر آتے ہیں جو اس کے جد امجد کو حاصل تھے ۔ سیاسی اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو زمین کے یا تو مالک ہوتے ہیں یا اس پر اختیار رکھتے ہیں مارکسزم اسی کو جاگیردارانہ نظام کہتا ہے ۔

نمو کا دوسرا مرحلہ ایسے معاشروں پر مشتمل ہے جو عبوری دور سے گزر رہے ہیں ۔ یعنی ایسے دور سے جس میں حالات "برخیزی" (Take-off) کے لئے سازگار بن جاتے ہیں ۔

اس لئے کہ ایک روائتی معاشرے کو جدید سائنس کی نعمتوں سے استفادہ کرنے کا اھل بنائے۔ اس دور میں سائنس اور فنیت زراعت اور صنعت میں ایک نئی روح پھونک دیتی ھے۔ بازار وسیع ھو جاتے ھیں اور ان میں مقاومت پیدا ھو جاتی ھے۔ یہ مرحلہ عام طور پر خود بخود نمودار نہیں ھوتا بلکہ کسی اور ترقی یافتہ ملک سے رابطہ قائم ھونے کے بعد آتا ھے۔ اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ھے کہ معاشی ترقی میں ''مقصدیت،، پیدا ھو جاتی ھے اور یہ خیال تقویت پکڑتا ھے کہ معاشی جدوجہد کسی اعلیٰ مقصد — مثلاً بہتر اور بلند معیار — کے حصول کے لئے ھونی چاھئے۔ اس زمانہ میں سرمایہ کاری میں اضافہ ھوتا ھے۔ جگہ جگہ صنعتی ادارے قائم ھوتے ھیں۔ بیرونی اور اندرونی تجارت کا دائرہ وسیع ھوتا ھے جس کی بنیاد پر ملک خارجی تسلط سے آزاد ھو کر قومی حکومت قائم کر لیتا ھے۔ عام طور پر یہ دور ۵۰ سال کا سمجھا جاتا ھے۔

تیسرا مرحلہ ''برخیزی،، (Take-off) کا کہلاتا ھے۔ یعنی وہ وقفہ جس میں پرانی رکاوٹوں اور مزاحمتوں پر قابو پا لیا جاتا ھے اور معاشی ترقی کو بروئے کار لانے والی قوتیں پھیل کر پورے معاشرے پر حاوی ھو جاتی ھیں عام طور پر ''برخیزی،، کا رد عمل اس وقت شروع ھوتا ھے جب سماجی بالائی سرمایہ جمع ھو جاتا ھے اور صنعت و زراعت میں فنی

ترقی نفوذ کر جاتی ھے۔ برخیزی کے دوران مؤثر سرمایہ کاری اور پس اندازی کی شرح میں قومی آمدنی کا ۵ تا ۱۰ فیصد اضافہ ھو سکتا ھے۔ اس دور میں نئی صنعتیں تیزی سے پروان چڑھتی ھیں۔ اور جو منافع حاصل ھوتا ھے وہ از سر نو دوسرے کارخانوں میں لگا دیا جاتا ھے۔ اس زمانہ میں مزدوروں کی تحریک بھی زور پکڑتی ھے۔ اور کارخانوں سے نکل کر کھیتوں میں پھیل جاتی ھے۔ تاھم صنعت و زراعت کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ نئے نئے کار اندازوں کے میدان میں آنے سے قومی دولت میں خوب اضافہ ھوتا ھے۔

برخیزی کے بعد پختگی کا طویل دور آتا ھے۔ جس میں نمو پذیر معیشت جدید فنیت کو اپنی معاشی سرگرمی کے محاذ پر پھیلا دیتی ھے۔ قومی آمدنی کا تقریباً دس تا بیس فیصد حصہ سرمایہ کاری کے لئے وقف ھو جاتا ھے۔ اور اس طرح پیداوار کو اضافۂ آبادی سے آگے نکل جانے کا موقع ملتا ھے۔ نئی نئی تکنیک اختیار کرنے سے ملکی معیشت بین الاقوامی معیشت میں اپنا مقام حاصل کر لیتی ھے اور جو اشیا پہلے درآمد کی جاتی تھیں اب خود ملک میں تیار ھونے لگتی ھیں۔

برخیزی کا دور تقریباً ۴۰ سال سمجھا گیا ھے۔ اس میں ما قبل برخیزی کے ۲۵ سال ملائے جائیں تو قریباً ۶۰-۶۵ برس بعد وہ منزل آتی ھے جسے ''پختگی کی منزل،، کہا جاتا ھے۔

پانچواں مرحلہ فراوانی صرف کا ہے جس میں ہر چیز بہ افراط میسر آ جاتی ہے ۔ روستوو اور دوسرے ماہرین معیشت کا خیال ہے کہ امریکہ اس دور سے گزر رہا ہے ۔

اگر معاشی نمو کے ان مراحل کو تسلیم کر لیا جائے تو ظاہر ہے پاکستان ابھی تک ''ماقبل برخیزی،، کی شرائط بھی پوری نہیں کر سکا ۔ تا ہم معاشرے کے روایتی بندھن ٹوٹ رہے ہیں ، جگہ جگہ صنعتی ادارے قائم ہو رہے ہیں جن میں جدید طریقوں سے کام لیا جاتا ہے ۔ لیکن تمام سرگرمیوں کی رفتار ایک محدود دائرے میں مقید ہو کر رہ گئی ہے ۔ تا ہم پاکستان نے برخیزی کی یہ شرط پوری کر دی ہے کہ قومی حکومت قائم ہو جائے اور عوام اپنے ولولہ و شوق کو بروئے کار لا کر معیشت کو ایک نئی جہت عطا کریں ۔ ظاہر ہے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ دولت کے تمام بت پاش پاش کر دیئے جائیں اور معاشی نمو کے دروازے عوام کے لئے یکساں طور پر کھول دیئے جائیں ۔ اب ۲۵ برس گزر چکے ہیں اس لئے پاکستان کو ''برخیزی،، کے لئے تیار ہو جانا چاہئے ۔

اسلامی سوشلزم کی تعبیر

وزیر خزانہ نے اعلان کیا تھا کہ پاکستان میں بدستور ''ملی جلی معیشت،، رہے گی ۔ اول تو یہ معلوم نہیں ہو سکا

کہ اس ''ملونی،، کا تناسب کیا ہوگا ؟ دوسرے اگر ''سرکاری،، اور ''نجی،، کارالداری کو دوش بدوش رہنا ہے تو ''اسلامی سوشلزم،، کے خواب کی تعبیر کب نکلے گی ؟ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان معاشی نمو کے جس مرحلہ پر پہنچ چکا ہے وہاں ''اشتراکیت،، اور ''قومی ملکیت،، کے سوا کسی اور نظریہ کو اختیار کرنے کا نتیجہ خود کشی کے سوا کچھ نہ ہوگا ۔

غور سے دیکھا جائے تو اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ مارکسی پیشگوئی کے عین مطابق ہے ۔ مارکس کے نظریہ کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام اپنے اندرونی تضاد باعث تباہ ہوتا ہے ۔ پاکستان کے معاشی نظام میں جو بھی تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں وہ اس کے اندرونی تضاد کو دور کرنے کے لئے ہیں ۔ اس معاشری عمل کو جاری رکھنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ قدم پیچھے ہٹانے کی بجائے آگے بڑھایا جائے ۔ جس کی واحد صورت یہ ہے کہ ''سرکاری تحویل،، پر اکتفا کرنے کے بجائے صنعت و تجارت دونوں کو قومی ملکیت میں لیا جائے ۔ حکومت نے مینیجنگ ایجنسی ممنوع قرار دے دی ہے اور چند بنیادی صنعتوں کو سرکاری محکمہ کی نگرانی میں دیدیا ہے ۔ اس سے جو معاشی اور معاشری ناہمواری پیدا ہوگی وہ اظہر من الشمس ہے ۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ بیمہ کے

اداروں میں تو بیورو کریٹ بٹھا دیئے گئے ہیں لیکن بنکوں کو
بدعنوانیوں کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے ۔ لینن نے غلط
نہیں لکھا تھا کہ بڑے بڑے صنعت کار اپنی سرمایہ داری
بنکوں ہی کے ذریعے قائم رکھتے ہیں ۔ اسلئے اگر اکتناز دولت
کو ختم کرنا ہے تو سب سے پہلے بنکوں کو قومی ملکیت
میں لینا چاہئیے ۔

قومیانے کے اصول

لینن نے صنعت و تجارت کو قومیانے کیلئے جو اصول
مرتب کئے تھے اُن کی صداقت ابدی ہے ۔ اُس نے لکھا ہے کہ
خاندانوں کے معاشی اقتدار کو ختم کرنے کے لئے پانچ اقدامات
عمل میں لانا ہونگے ۔

۱ ۔ تمام بنکوں کو توڑ کر ایک ہی بنک بنا دیا جائے
جس پر مملکت کی نگرانی قائم ہو ۔ ظاہر ہے یہ "بیت المال" کے
اسلامی تصور کے عین مطابق ہے ۔ بنک سرمایہ دارانہ معاشرے
کا "اعصابی مرکز" ہوتے ہیں ۔ اس لئے معاشرے کو عادلانہ
بنیادوں پر استوار کرنے کا دعویٰ کرنا اور بنکوں کو قومی
تحویل میں نہ لینا ایک ایسا تضاد ہے جو مضحکہ خیز بھی ہے
اور مہلک بھی ۔ مشاہدہ و تجربہ سے ظاہر ہے کہ سرمایہ دار
اگر اپنے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لئے کاروباری ہیر پھیر
سے کام لیتے ہیں یا مالی چکر چلاتے ہیں یا ذخیرہ اندوزی اور
چور بازاری کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ تو بنکوں ہی کے ذریعے ۔

لہذا تمام بنک یکجا کر دیئے جائیں تو اُن پر نگرانی رکھنا
آسان ہو جائے گا ۔ اس لئے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں
بلکہ جیسا کہ لینن نے لکھا ہے قلم کی ایک جنبش کافی ہے ۔
بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کے بعد بیمہ کے کاروبار کو
قومیانا آسان ہو جائے گا ۔

۲ ۔ بڑے بڑے سنڈیکیٹ توڑ دیئے جائیں خصوصاً وہ
انجمنیں جو کھانڈ ، کوئلہ ، لوہا اور تیل کی رسد اور قیمتوں
پر اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے معرض وجود میں آئی ہوں ۔
پاکستان میں صنعت کار عام طور پر اس بات سے انکار کرتے
ہیں کہ اُنھوں نے بہمرسانی یا قیمتوں کو اپنے کنٹرول میں
رکھنے کے لئے کوئی ادارہ یا انجمن بنا رکھی ہے ۔ لیکن چائے ،
چینی ، کپڑے اور بناسپتی گھی وغیرہ کی تجارت کا بغور جائزہ
لیا جائے تو خود بخود واضح ہو جائے گا کہ ان اشیا کی تھوڑے
تھوڑے وقفے کے بعد نایابی اور گرانی کی ذمہ داری کس طرح
صنعت کاروں کی شعوری یا غیر شعوری "ملی بھگت" پر عائد
ہوتی ہے ۔

۳ ۔ کاروباری رازداری کا پردہ چاک کر دیا جائے ۔ بڑے
بڑے صنعت کاروباری بد دیانتی اور خیانت پر پردہ ڈالنے
کے لئے اکاؤنٹس کا حربہ استعمال کرتے ہیں ۔ موجودہ بہی کھاتے
اتنے پیچیدہ ہو چکے ہیں کہ عام آدمی اُن کی الف ۔ ب بھی

سمجھ نہیں سکتا ۔ اس پر متضاد یہ کہ ''کاروباری رازوں پر زور دیا جاتا ہے اور کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو کارکنوں کے علاوہ حصہ داروں بلکہ ڈائرکٹروں سے بھی خفیہ رکھا جاتا ہے ۔ لینن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ ''کاروباری راز،، چونکہ منافقانہ چالوں کے غماز ہوتے ہیں اس لئے سرمایہ داری کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اس کے خفیہ منصوبوں کا تارو پود بکھیرنا بھی ضروری ہے ۔

۴ ۔ مزدوروں کے اشتراک و تعاون کو مستحکم کیا جائے ۔ حتیٰ کہ وہ صنعت و تجارت کے تمام گوشوں پر کڑی نگرانی رکھنے لگیں ۔ وہ اپنی انجمنوں کے ذریعے نہ صرف حساب کتاب کی پڑتال کریں بلکہ موادِ خام اور مشینری کی خریداری اور تیار مال کی نکاسی کے لئے تعاون و اشتراک سے کام لیں تاکہ کفایت رہے اور ان کی آمدنیوں میں اضافہ ہو سکے ۔

۵ ۔ سرمایہ دار کی لوٹ کھسوٹ کا ایک نمایاں طریقہ یہ ہے کہ کبھی ذخیرہ اندوزی کے ذریعے مال کی فراہمی میں رکاوٹ ڈال دیتا ہے ، کبھی سٹہ کھیل کر قیمتیں بڑھا دیتا ہے ۔ حکومت چونکہ اس سے ملی ہوتی ہے اسلئے وہ راشن بندی کر دیتی ہے ۔ اس کا فائدہ بھی متمول طبقہ کو پہنچتا ہے ۔ کیونکہ جب راشن ڈپوؤں پر بھیڑ ہوتی ہے تو امیر اپنے نوکروں کے ذریعے یا عقبی دروازے سے سامان خور و نوش

منگوا لیتے ہیں اور غریب پہروں قطار میں کھڑے رہنے کے باوجود محروم ہی لوٹتے ہیں ۔ اسکا علاج لینن نے یہ بتایا ہے کہ صارفین اپنی انجمنیں بنائیں اور ان کے ذریعے بھاؤ اور بہم رسانی پر کڑی نگرانی رکھیں ۔

منصوبۂ صرف

لیکن اگر پیداوار اور صرف میں توازن قائم رکھا جائے تو شاید اس کی ضرورت بھی پیش نہ آئے ۔ پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے اب تک جو منصوبے تیار کئے گئے ہیں ان کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان میں ''صرف دولت،، کی بجائے ''پیدا کاری،، کو معیار بنایا گیا ہے ۔ یعنی یہ سوچے بغیر دولت آفرینی کی گئی ہے کہ آیا اس سے عوام کی مجموعی ضروریات بھی پوری ہونگی یا نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی چیز تو ضرورت سے زیادہ تیار ہو جاتی ہے اور کوئی مطلق دستیاب نہیں ہوتی ۔ اس یک رخی معاشی نمو سے فائدہ صرف بڑے خانوادوں کو پہنچا ہے ۔ وہ اپنا روپیہ دھڑا دھڑ ایسے شعبوں میں لگاتے رہے ہیں جو سونا اگلتے رہے ہیں اور ایسے شعبوں کی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتے جن سے عوام کو فائدہ پہنچ سکتا تھا ۔ مثال کے طور پر وہ خود تو شہری جائدادیں خرید کر بنک کے دفاتر بناتے رہتے ہیں لیکن عوام سر چھپانے کے لئے جھونپڑی کے لئے بھی ترس رہے ہیں ۔ اسی طرح چینی اور چاول گوداموں

میں پڑے سڑتے رہے ہیں لیکن عوام کو اناج بھی امریکہ سے منگوانا پڑا۔ اس معاشی افراتفری کے خاتمہ کا واحد طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ اندازہ لگایا جائے کہ عوام کو اپنی بنیادی ضروریات —روٹی، کپڑا اور مکان— پوری کرنے کے لئے کس کس چیز کی ضرورت ہے اور وہ کتنی مقدار میں تیار کی جائے۔ اس کے بعد پیدا کاری کا ایسا منصوبہ بہ آسانی تیار ہو سکتا ہے جس میں ارتکاز دولت کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

کچھ عرصہ ہوا ماہرین اغذیہ نے عوام کی غذائی ضروریات کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ صحت برقرار رکھنے کے لئے مغربی پاکستان کے ایک عام آدمی کو مختلف اشیا کی روزانہ کتنی خوراک ملنی چاہئے۔ یہ چارٹ درج ذیل ہے:

چاول	۴۷ گرام فی کس
گندم	۲۹۶ ,, ,,
دالیں	۳۰ ,, ,,
سبزی (آلو سمیت)	۳۰۰ ,, ,,
مچھلی اور گوشت	۳۰ ,, ,,
مرغی انڈہ	۳ ,, ,,
دودھ	۱۵۳ ,, ,,
تیل اور چربی	۴۰ ,, ,,

پھل	۵۰ ,, ,,
چینی	۵۲ ,, ,,

خوراک کے اسی معیار کے مطابق چوتھے پنجسالہ منصوبہ میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ مختلف غذائی اشیا کی پیداوار کو ایک خاص حد تک بڑھایا جائے تاکہ قلت کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ مثلاً منصوبہ بندوں کا خیال ہے کہ ۱۹۷۴-۷۵ء تک مغربی پاکستان میں کھانے پینے کی اشیا کی پیداوار کا ہدف یہ ہونا چاہئے:

چاول	۱۷ لاکھ ۸۷ ہزار ٹن
گندم	۶۷ لاکھ ۳۷ ہزار ٹن
سبزی (مع آلو)	۲۷ لاکھ ۱۹ ہزار ٹن
دودھ	۱۸ لاکھ ۳۷ ہزار ٹن
گوشت	۸۳ ہزار ٹن
مچھلی	۴۵ ہزار ٹن
چینی	۵ لاکھ ۳۵ ہزار ٹن
چائے	۶ کروڑ ۹۰ لاکھ پونڈ
سوتی کپڑا	ایک ارب تین کروڑ ۳۵ لاکھ گز

منصوبہ بندوں کا خیال یہ کہ چائے کے سوا تمام اشیا پہلے ہی وافر مقدار میں تیار ہو رہی ہیں اس لئے کمیابی کا کوئی خطرہ نہیں۔ حالانکہ تجربہ اس کے برعکس ہے۔ جس سے اندازہ

خود بخود غلط ثابت ہوتا ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ
تمام اشیا کے صرف کا ازسرنو اندازہ لگایا جائے اور اسی کے
مطابق پیداواری نظام کو منظم کیا جائے ۔ لیکن ذخیرہ اندوزی
اور سٹہ بازی کے رجحانات کو ختم کر کے تمام اشیا کی مساویانہ
تقسیم اسی وقت عمل میں آ سکے گی جب دولت کی پیدائش
اور تقسیم دونوں عوام کے اپنے ہاتھ میں ہوں !

آخر میں یہ سوال فیصلہ طلب رہ جاتا ہے کہ آیا موجودہ
حکومت خود ہی تمام اداروں کو قومی تحویل میں لے لے یا
اس کو ''نصب العین'' قرار دے کر ''معاشی عمل'' پر چھوڑ
دیا جائے ۔ اس کا جواب خود برسر اقتدار طبقہ کو دینا چاہئے
اگر یہ فی الواقع مزدوروں اور کسانوں کی حکومت ہے تو ظاہر
ہے ''معاشی عمل'' کا انتظار بے سود ہے ۔ ''معاشی عمل''
کا مطلب تو یہ ہے کہ بڑے بڑے خانوادے بدستور پیدا
ہوتے رہیں اور حکومت رفتہ رفتہ ایک ایک ادارے کو اپنی
تحویل میں لیتی رہے ۔ حتیٰ کہ مزدور اور کسان خود ہی
ایک دن غضبناک ہو کر ''آمریت'' قائم کر لیں اور تمام وسائل
پر بجبر قبضہ کر لیں ۔ اس سے جو خون ریزی ہوگی اس کی
ذمہ داری بھی برسر اقتدار طبقہ کو قبول کرنا ہوگی ۔ لیکن اگر
یہ انتہا پسندی (جس کو ''کمیونزم'' کہا جاتا ہے) سلطانئی

جمہور کے دور میں غیر ضروری ہوگئی ہے تو بہتر یہی ہے کہ
رضاکارانہ طور پر ''اسلامی سوشلزم'' کو اپنایا جائے جو اس کے
سوا کچھ نہیں کہ تمام معاشی اداروں کو عادلانہ اور منصفانہ
بنیادوں پر استوار کیا جائے ۔ یہی اسلامی نظام کی روح ہے اور
یہی قائداعظم کی پکار تھی ۔ جنہوں نے ۸ نومبر ۱۹۴۵ء
کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے کے سامنے اپنے
نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ۔

''میرے نزدیک اس دور میں تمام کلیدی صنعتوں کا
انتظام و انصرام مملکت کے سپرد ہونا چاہئے ۔ اس اصول کا
اطلاق مفاد عامہ کی بعض صنعتوں پر بھی ہوتا ہے ۔ لیکن
کلیدی صنعت کون سی ہے اور مفاد عامہ کی صنعت کون سی ؟
اس کا فیصلہ میں نہیں قانون ساز ادارے کریں گے !''

باب ۹

چند ہاتھ - چند چہرے

پاکستان کے کروڑ پتی خانوادوں کے چند فعال اور سرگرم ارکان کا تعارف درج ذیل ہے :

سید واجد علی شاہ

سید مراتب علی شاہ کا شمار حصول آزدی سے پہلے بھی مسلمان لکھپتیوں میں ہوتا تھا ۔ انہوں نے قیام پاکستان کے لئے مسلم لیگ کی جد و جہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے سرمایہ سے ابتدائی دور میں ملکی معیشت کو سنبھالا دیا ۔ آن

کے خاندان کے افراد کا اب وسیع کاروبار پر قبضہ ہے ۔ سید امجد علی تو وزارت خزانہ پر متمکن رہنے کے بعد اقوام پاکستان میں پاکستان کے نمائندہ مقرر ہوگئے ۔ سید واجد علی شاہ علی آٹو موبیلز اور وزیر علی انجینئرنگ کے مینیجنگ ڈائرکٹر، سید اے اینڈ ایم وزیر علی کے ڈائرکٹر اور وزیر علی انڈسٹریز، پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل، بنک آف بہاولپور، پاکستان سروسز، آدم جی جوٹ ملز، زیل پاک سیمنٹ، امپیرل کیمیکل انڈسٹریز اور وزیر علی (جی-بی)، کے ڈائرکٹر ہیں ۔ وہ ۱۹۱۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے ۔ تعلیم ایف اے سے زیادہ نہیں ہے ۔

سید بابر علی

سید بابر علی ۱۹۲۷ء (لاہور) میں پیدا ہوئے ۔ پیکیجز اور انٹرنیشنل جنرل انشورنش کمپنی کے مینیجنگ ڈائرکٹر، لیور برادرز (پاکستان) اور وزیر علی انڈسٹریز کے ڈائرکٹر ہیں ۔ یو - این اسمبلی اور ماسکو اکونامک کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی بھی کر چکے ہیں ۔

کے ایم بشیر

بلاری (جنوبی ہند) میں جولائی ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ مدراس یونیورسٹی کے ایم۔ اے ہیں۔ حنی سنز گروپ آف انڈسٹریز کے چیئرمین ہیں۔ اس گروپ میں لوہے اور فولاد، چینی اور بجلی کے بلوں کے کارخانے شامل ہیں۔

یحیٰی احمد بھوانی

۱۹۲۵ء میں رنگون میں پیدا ہوئے۔ لندن سے کامرس کا ڈپلوما لیا۔ پاکستان میں لطیف بھوانی جوٹ ملز، احمد بھوانی ٹیکسٹائل ملز اور ایسٹرن کیمیکل انڈسٹریز کے مینیجنگ ڈائرکٹر اور پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن (ایسٹ زون) کے چیئرمین ہیں۔

اس کے علاوہ پاکستان جوٹ ملز ایسوسی ایشن کی مینیجنگ کمیٹی، وزارت صنعت و تجارت کی مشاورتی کمیٹیوں، انڈسٹریل ڈویلپ منٹ بنک ڈھاکہ چیمبر آف کامرس اور دوسری بہت سی کمیٹیوں کے رکن ہیں۔

زکریا بھوانی

۱۹۳۸ء میں رنگون میں پیدا ہوئے۔ احمد بھوانی ٹیکسٹائل ملز کے ڈائرکٹر اور آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن (ایسٹ زون) کے رکن ہیں۔

امیر سلطان چنوئی

بمبئی ۱۹۴۱ء کی پیدائش ہے۔ پاک کیمیکلز اور انٹرنیشنل انڈسٹریز کے مینیجنگ ڈائرکٹر اور پاکستان کیبلز، لپٹن پاکستان، نیو جوبلی انشورنس کمپنی، آب لائنز لمیٹڈ، انڈسٹریل پروموشن سروسز اور جیسور جوٹ انڈسٹریز کے ڈائرکٹر ہیں۔ بہت سے بین الاقوامی وفود میں شریک ہو چکے ہیں۔

چوہدری محمد صدیق (وائس ایڈمرل)

بٹالہ انجینئرنگ کمپنی کے چوہدری
محمد لطیف کے بڑے بھائی ہیں۔
انڈسٹریل کیمسٹری میں بی ایس سی
کرنے کے بعد نیوی میں بھرتی
ہوگئے اور وائس ایڈمرل (کمانڈر
انچیف نیوی) کے عہدے سے
۱۹۵۹ء میں ریٹائر ہوئے۔ بیکو
کے کوٹ لکھپت ورکس کے
ڈائرکٹر انچارج اور بٹالہ انجینئرنگ کمپنی کے ڈائرکٹر (پرسونل)
ہیں۔

ہاشم دادا

۱۹۲۴ء میں بنٹوا (بھارت) کے
مقام پر پیدا ہوئے۔ سنیٹ زیویئر
کالج کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔
دادا آئل ملز کے ڈائرکٹر اور
فیڈریشن آف پاکستان چیمبر آف
کامرس اینڈ انڈسٹری کے پریزیڈنٹ
اور وائس پریزیڈنٹ رہے ہیں۔
کراچی آئل ملز گروپ کے چیئرمین بھی ہیں۔

احمد داؤد

۱۹۰۵ء میں بنٹوا (بھارت)
میں پیدا ہوئے۔ داؤد گروپ
آف انڈسٹریز کے چیئرمین ہیں۔
اس کے علاوہ درجنوں صنعتی و
تجارتی تنظیموں کے ڈائرکٹر
ہیں۔ بھارت میں روئی، ریشم
اور پارچات کی درآمد و برآمد کا

کاروبار کرتے تھے۔ پاکستان میں آکر پرچہ بافی کا کارخانہ قائم
کیا اور رفتہ رفتہ کاغذ، اون، مصنوعی ریشم، کھاد اور پٹرولیم
وغیرہ بیشمار ملوں کے مالک بن گئے۔

امیر علی فینسی

امیر علی فینسی ۱۹۱۴ء میں
کنیا (ممباسہ) میں پیدا ہوئے۔
مشرقی افریقہ میں بہت سی تجارتی،
صنعتی اور معدنی مہمات میں
حصہ لیا۔ پاکستان میں کامرس
بنک، فینسی انوسٹ منٹ، فینسی
فونڈیشن انڈسٹریل مینیج منٹ،
انڈسٹریل پروموشن سروسز،

نیو جوبلی انشورنش ، پاکستان کروم مائنز ، پاکستان ریفائنری ،
پلیٹنم جوبلی کارپوریشن ، پیپلز جوٹ ملز ، سٹیل کارپوریشن ،
فینسی ٹریسز اور کریسنٹ جوٹ ملز کے چیئرمین ہیں -
علاوہ ازیں گل اینڈ کمپنی (کراچی) انڈسٹریل کارپوریشن ،
کراچی گیس ، لانڈی انڈسٹریل ٹریڈنگ سینٹس موٹر کارپوریشن ،
یککک ، سروسز لمیٹڈ ، اسماعیلیہ پبلی کیشنز ، سوئی گیس
ٹرانسمشن ، زیل پاک سیمنٹ ، پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل اور
مینیج منٹ کارپوریشن کے ڈائرکٹر ہیں - مزید برآں حکومت
پاکستان کی مشاورتی کمیٹیوں کے رکن ہیں -

رشید داؤد حبیب

١٩٢٧ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے - سڈنہم کالج آف کامرس میں تعلیم حاصل کی - ١٩٤٥ء میں حبیب بنک میں ملازم ہوئے اور ١٩٥٠ء میں اس کے مینیجنگ ڈائرکٹر بن گئے - بہت سی اہم کارپریشنوں کے رکن ہیں -

محمد حنیف

١٩٢٣ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے - دوست محمد کاٹن ملز کے مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں - اس کے علاوہ ابن ویک اینڈ کمپنی ، ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز اور پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل کے ڈائرکٹر ہیں - فیڈریشن آف چیمبر آف کامرس کے صدر بھی رہے - بین الاقوامی وفود میں بھی شریک رہے -

حاجی رزاق جانو

١٩٧٢ء میں ڈھورا جی (بھارت) مین پیدا ہوئے - حاجی رزاق حاجی حبیب جانو کے حصہ دار ہیں - جانے کے تاجروں کی ایسوسی ایشن کے وائس چیئرمین اور بہت سی کاروباری انجمنوں کے صدر ہیں -

لطیف ای جمال

۱۹۲۵ء کی پیدائش ہے۔ حسین انڈسٹریز اور حسین شوگر ملز کے مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں۔ حسین ابراہیم ایجنسیز، کامرس بینک، ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز، پاکستان ایکزبشن کارپوریشن، لانڈھی انڈسٹریل سٹیٹ، پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل، مہران شوگر ملز، مجیب اللہ الکلائیڈ اور داؤد سلک انڈسٹریز کے ڈائرکٹر ہیں۔ پاکستان کونسل آف انٹرنیشنل چیمبر آف کامرس کے وائس چیئرمین اور آر سی ڈی چیمبر آف کامرس کے پریذیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بیشمار کاروباری انجمنوں اور ایسوسی ایشنوں میں عہدے دار ہیں۔ بین الاقوامی وفود میں بھی شریک ہو چکے ہیں۔

میاں فضل احمد

لائل پور میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے پریمئر کلاتھ ملز کے مینیجنگ ڈائرکٹر اور پنجاب ویجی ٹیبل گھی اینڈ جنرل ملز اور شیخ میاں محمد اینڈ سنز کے ڈائرکٹر ہیں۔ اس کے علاوہ

یونیورسل انڈسٹریز، شوگر اینڈ سیڈ ایکسچینج اور پاکستان فلور ملز کے چیئرمین ہیں۔

میاں محمد امین

۱۹۱۴ء میں چنیوٹ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ محمد امین محمد بشیر لمیٹڈ کے چیئرمین اور کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں۔ اس کے علاوہ کریسنٹ جوٹ پراڈکٹس، کریسنٹ شوگر ملز، کریسنٹ سپننگ لائنز، جوبلی سپننگ اینڈ ویونگ ملز، پریمئر انشورنس کمپنی، ایس ڈی مارکر اینڈ کمپنی اور فیروز سنز لیبارٹریز کے ڈائرکٹر ہیں۔ حصول آزادی سے پہلے چمڑے اور کھالوں کا کاروبار کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد روئی کی تجارت شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں پارچہ بافی کے علاوہ چینی، پٹ سن، بیمہ اور بحری جہازوں کے کاروبار پر چھا گئے۔

محمد علی رنگون والا

رنگون میں ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ برما آئل ملز، نیشنل بنک ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز، انٹرنیشنل لیبارٹریز، پاکستان امریکن لبرٹی میٹنگ ٹرمینلز کے چیئرمین اور پکک، پاکستان نیشنل آئلز، نیشنل ریفائنری، پریمئر انشورنس، سنٹرل انشورنس، نیشنل شیل آف پاکستان، سروز لمیٹڈ، فیروز سنز لیباریٹریز، بھوانی شوگر ملز، ایم ایف ایم وائی انڈسٹریز کے ڈائرکٹر ہیں۔ اس کے علاوہ کراچی پورٹ ٹرسٹ اور نیشنل پریس ٹرسٹ کے ٹرسٹی اور بہت سی انجمنوں اور تنظیموں کے رکن اور مشیر کار ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی چیمبرز آف کامرس سے بھی وابستہ ہیں۔

میاں بشیر سہگل

سہگل آباد (جہلم) میں ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ کوہ نور ٹیکسٹائل ملز راولپنڈی کے مینیجنگ ایجنٹ، یونائیٹڈ بنک، بلوچستان ٹیکسٹائل ملز اور سہگل برادرز کے ڈائرکٹر ہیں۔ کلکتہ

میں اپنا خاندانی کاروبار کرتے تھے۔

محمد اقبال سہگل

۱۹۳۰ء کلکتہ کی پیدائش ہے۔ میاں بشیر سہگل کے فرزند ہیں۔ کلکتہ سے پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کرنے کے بعد امریکہ میں بزنس ایڈمنسٹریشن کا پوسٹ گریجویٹ کورس کیا۔ اور پاکستان میں آکر اپنے آبائی پیشہ سے منسلک ہو گئے۔ کوہ نور ٹیکسٹائل ملز راولپنڈی کے مینیجنگ ڈائرکٹر اور کوہ نور انڈسٹریز کے ڈائرکٹر ہیں۔

ریاض شفیع

جھنگ میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ ایل ایل بی تک تعلیم ہے۔ ریاض و خالد کے مینیجنگ ڈائرکٹر، کراچی فشر مین کوآپریٹو سوسائٹی، گلبرگ ٹیکسٹائل ملز، آر۔او۔کے کیمیکل انڈسٹریز، رانا ٹریکٹرز، نیشنل

انشورنس، ریاض و خالد (فشریز) کراچی کاٹن ایسوسی ایشن کے ڈائرکٹر ہیں ۔ کراچی پورٹ ٹرسٹ کے ٹرسٹی بھی ہیں ۔ سٹینڈرڈ بنک اور پریمیئر انشورنس کمپنی کے ڈائرکٹروں میں بھی شامل ہیں ۔

میاں جاوید سہگل

میاں سعید سہگل مرحوم کے صاحبزادے ہیں ۔ آکسفورڈ سے بی اے کرنے کے بعد لائل پور کوہ نور ٹیکسٹائل ملز کے جنرل مینجر اور پھر مینیجنگ ڈائرکٹر مقرر ہوئے ۔ لاہور میں لبنان کے آنریری کونسل اور آر سی ڈی کے سرپرست ہیں ۔ کوہ نور ریان ملز کے ڈپٹی مینیجنگ ڈائرکٹر اور انسکٹسائڈ لمیٹڈ ، کالا شاہ کاکو کے مینیجنگ ڈائرکٹر بھی ہیں ۔

میاں مغیث شیخ

۱۹۳۳ء لائل پور کی پیدائش ہے ۔ ایف ۔ اے تک تعلیم ہے ۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز ، اسماعیل آباد اور کالونی وولن ملز کے مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں ۔

میاں فاروق احمد شیخ

۱۹۲۴ء میں چنیوٹ میں پیدا ہوئے ۔ کانپور (بھارت) میں آئل ٹیکنالوجی کا سپیشل کورس کیا پاکستان سیمنٹ انڈسٹریز ، آسٹریلیشیا بنک ، کالونی سرحد ٹیکسٹائل ملز اور پاک منرلز اینڈ انڈسٹریز کے چیئرمین اور کالونی سرحد ٹیکسٹائل ملز ، کالونی تھل ٹیکسٹائل ملز کے ڈائرکٹر ہیں ۔ اس کے علاوہ پارچہ بافی کی انجمنوں اور کامرس اینڈ انڈسٹری کے چیمبروں کے رکن ہیں ۔

ڈاکٹر عبدالوحید

۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے ۔ مولوی فیروزالدین مرحوم کے صاحبزادے ہیں ۔ فیروز سنز لمیٹڈ کے چیئرمین ہیں ۔ فیروز سنز لیبارٹریز اور انڈسٹریل ڈویلپ منٹ بنک کے ڈائرکٹر ہیں ۔ فیروز سنز ٹرسٹ کے ٹرسٹی ہیں ۔ ملکی و غیر ملکی چیمبرز آف کامرس سے بھی وابستہ رہے ہیں ۔ بہت سی تعلیمی و اشاعتی کمیٹیوں کے رکن ہیں ۔

شہر سرائے

احمد بشیر

امروز کے استقلال نمبر میں اے۔ آر۔ شبلی کے لکھے ہوئے مضمون (''تیس خانوادے،، پاکستان کی کھربوں روپے کی قومی دولت کے مالک ہیں) نے ایسا دھما کہ کیا ہے کہ بڑے بڑے ایوان لرز گئے ہیں اور ٹیلیفون پر ٹیلیفون آ رہے ہیں کہ کیا واقعی ایسا ہے کہ پاکستان کا کل صنعتی سرمایہ ۲۴ ارب ہے۔ اس میں سے بیس ارب صرف تیس خاندانوں کے قبضے میں ہے یہ کیونکر ہوا۔ کس نے کیا اور یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان کو اپنے بنکوں میں جمع کرا رکھا ہے کوئی آٹھ برس پہلے حکومت کے ایک اونچے افسر نے بائیس خاندانوں کی خبر دی تھی۔ پھر یہ افسر متعلقہ وزارت سے غائب ہو گئے۔ ان کے بیان کے حوالے باقی رہ گئے۔ تفصیلات کسی

کو معلوم نہ تھیں۔ بعض لوگ یہ شبہ کرنے لگ گئے تھے کہ اتنی بڑی دھاندلی ممکن نہیں ہے۔ کسی نے بات اڑائی ہو گی۔ مگر اے۔ آر۔ شبلی صاحب ان کے پیچھے لگ گئے اور مکمل تصویر پیش کر دی اور اسباب بھی بیان کر دیئے جو اس دھاندلی کا موجب ہیں۔ بنک ان کے، انشورنس کمپنیاں ان کی، ملیں ان کی، پرمٹیں اور لائسنس، اجارے ان کے۔ بس آنکھیں میری باقی انکا۔ یہ معجزہ صدر ایوب کے دور حکومت میں ہوا۔

بنکوں کی چھوٹ اور طرح طرح کی حفاظتیں ان عظیم خاندانوں کو مہیا کی گئیں اور انہوں نے جی کے ارمان نکالے کہ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کس کا۔ بیس ارب روپیہ تو تیس خاندانوں کا ہے باقی چار ارب میں بھی تین ارب ان تیس کے بعد آنے والے سو خاندانوں میں ہو گا۔

خدا لنڈا بازار کو سلامت رکھے کہ تن ڈھانپنے کو کپڑا مل جاتا ہے ورنہ ان تیس خاندانوں نے تو ہم کو بالکل ننگا ہی کر دیا تھا۔

اے۔ آر۔ شبلی صاحب بھی بڑے ستم ظریف ہیں۔ ایک تو اشراف کے نام پتے درج کر دیئے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اتنی بڑی دولت کمانے کے لئے ان امرا کو کسی قابلیت کی ضرورت نہ تھی لیکن قانون ہی ایسے تھے کہ ایک دفعہ حلقہ

یاران میں شامل ہو جائیے۔ اپنے آپ جھولے پر چڑھ جائیں گے
پھر ان کا حلقہ اقتدار ایسا تھا کہ حکومت سے اپنی مرضی
کی پالیسیاں بنواتے تھے۔ ان میں ہم نے بعض ایسے نام بھی
دیکھے ہیں جن کو پڑھ کر اچنبھا ہوا کہ کل تک ہمارے ساتھ
گھاس چھیلتے تھے اب اربوں پتی ہیں۔ پھر بعض ریٹائرڈ
سی ایس پی افسران کے نام بھی محل نظر ہیں۔ ان کی تنخواہیں
ریٹائرمنٹ کے قریب تین ساڑھے تین ہزار ہوتی ہیں۔ اخراجات
بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مگر ادھر ریٹائر ہوئے ادھر کروڑ
پتی بن گئے۔ کیسے بن گئے۔ کیونکر بن گئے اس پر غور کرنا
چاہئے کہ موجودہ حکومت نے برسر اقتدار افسروں سے تو حساب
مانگا ہے مگر جو بزرگ گذشتہ دس برس میں ریٹائر ہوئے ان
کے پاس الہ دین کا چراغ کہاں سے آیا۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے
اس کی بنا اپنے دور اقتدار ہی میں رکھ دی ہو گی اور بڑے
بڑے تجارتی جنات کو مفید طلب مالی پالیسیاں بنا کر یا بنکوں
سے قرضے دلوا کر قابو کیا ہو گا۔ ان پر بھی اگر مارشل لا
حکومت ایک نظر ڈالے تو عجب نہ ہو گا۔ اے۔ آر۔ شبلی
نے تمام اعداد و شمار ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ ان کے
محاسبے سے عوام کی حکومت میں اعتماد کو تقویت پہنچے گی
یہ بھی پتہ چلے گا کہ پبلک سیکٹر کیا ہے۔

بعض امرا اس بات پر ذرا خفیف ہیں کہ بڑوں میں ان
کا نام نہ آیا حالانکہ انہوں نے اپنے تئیں کوئی کسر اٹھا نہ

رکھی تھی۔ راج دربار میں ان کے بھی پھیرے تھے۔ رشوت
دینے میں انہوں نے کبھی بخل نہ کیا اور پاکستان بننے کے
وقت ان کے پاس بھی ایک دھیلہ نہ تھا۔ کسی قابلیت کے
بغیر اربوں نہیں تو کروڑوں انہوں نے بھی کمائے۔ مگر افسوس
یہ رتبہ انکو نہ ملا۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔ اس پر صبر کے
سوا چارہ کیا ہے۔

اس مضمون میں لکھا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ایک
جائزے کے مطابق ۱۹۶۸ء میں مزدور کی اوسط آجرت ۶۷ روپے
ماہوار رہی۔ کسانوں کا حال ہمیں نہیں معلوم مگر مولانا بھاشانی
نے کہا کہ ضلع رنگپور کے سرحدی علاقے میں میں نے آٹھ
تھانوں کا دورہ کیا ہے۔ ان علاقوں میں میں نے بارہ روز کے
قیام میں کسی بھی کسان کے گھر میں چاول پکتے نہیں دیکھے
بعض لوگ آٹا پانی میں گھول کر کھا رہے ہیں۔ افسوس کہ
مغربی پاکستان میں مولانا بھاشانی جیسا کوئی عوامی لیڈر نہیں
جو دیہات کا دورہ کر کے حال بتاتا کیونکہ یہاں کے بعض
علاقوں میں حالت رنگپور سے بہتر نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان
میں بعض سیاسی پارٹیوں نے مغربی پاکستان کی دولت مندی
اور آسودگی کے قصے عام کر رکھے ہیں جس سے عوام میں
محنت کم ہوگئی ہے۔ یہ سرمایہ داروں کی سازش ہے مشرقی
پاکستان میں اصل غصہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے
جسے مغربی پاکستان کے عوام کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔

باتیں انشا جی کی

ابن انشا

ہمارے دوست شبلی بی کام اردو کے مشہور ادیب ہیں ۔ ہم بچپن میں انہیں پڑھتے تھے تو بی کام کا مطلب کبھی سمجھ میں نہ آیا ۔ بہت سوچنے پر اتنا فرض کر لیتے تھے کہ یہ بے کام یعنی بے روزگار ہونگے ۔ اسی لئے تو مضمون لکھتے ہیں ۔ پھر کھلا کہ نہیں یہ کامرس کی ڈگری ہے ۔ بی اے کے برابر ہوتی ہے ۔ مدتوں شبلی صاحب بی کام ہی رہے ۔ پھر ایم کام ہوگئے ۔ یعنی کامرس کے ایم اے۔ چونکہ ایم اے پاس آدمی اپنے نام کے ساتھ بی اے کی ڈگری لکھتا اچھا نہیں لگتا۔ انہوں نے اپنے اصل نام اے آر شبلی سے رجوع کر لیا ۔ کام کی باتیں یہ پہلے بھی کیا کرتے تھے لیکن اب تو کچھ کام کے ہوگئے ہیں ۔ یہاں ہمارا مطلب ''کام،، سے نہ کامرس کا مخفف ہے ۔ نہ اشارہ کام شاستر کی طرف ہے جن معنوں میں مخدومنا

حفیظ جالندھری کا فرمودہ ہے ۔

جاگ کام دیوتا   فتنہ ہائے نوجگا

بلکہ ہماری مراد ''کا کا آدمی،، سے ہے ۔ واقعی کام کا آدمی جو ہماری طرح ناکارہ نہ ہو ۔

شبلی صاحب کا تازہ کارنامہ انکا ایک مضمون ہے جو لاہور کے امروز میں چھپا ہے ۔ پاکستان کے ''۳۰ خانوادے،، اس میں انہوں نے اعداد و شمار دے کر بتایا ہے کہ پاکستان کی جو دولت صنعتی اور تجارتی اداروں کی شکل میں ہے اس کی کل مالیت ۲۵ ارب روپے کے قریب ہے ۔ اس کے اسی فیصد یعنی ۲۰ ارب برچیدہ اور برگزیدہ خانوادے قابض ہیں ۔ یعنی عیش بنا تو ہے لیکن فقط تجمل حسین خاں کے لئے ۔ بظاہر یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ ایک بہت ذمہ دار اکانومسٹ نے جب ۲۲ خانوادوں کا ذکر کیا تھا اور اپنی نوکری کو خطرے میں ڈالا تھا ۔ اسی وقت بندہ کوچۂ گرد چونک گیا تھا اور ہر اک سے پوچھتا تھا کہ بھئی ان کے اسمائے مبارک تو بتاؤ ۔

ہر چند کہ ہمارے مقدمین کہتے ہیں کہ یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ۔ کسی کی امارت یا جائداد پر حد کی پابندی یا اس کے استحصال پر حرف گیری کرنا دین میں رخنہ ڈالنا ہے ۔ تاہم نام جاننے میں کیا حرج ہے ۔ شبلی صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے تیس برگزیدہ خانوادوں کی فہرست چھاپ دی جو مٹھو بھائی احمد داؤد سے شروع ہوکر آدم جی ، سہگل ،

باوانی ، ولیکا میں سے ہوتی ہوئی فینسی، رنگوں والا اصفہانی ، نصیر شیخ ، قاسم دادا ، جنرل حبیب اللہ ، حاجی حبیب ، حبیب رحمت اللہ ، میاں محمد امین ، محمد بشیر ، واجد علی شاہ ، رستم کاؤس جی وغیرہ سے شالنے بھڑاتی ہارون ، سی ایم لطیف ، رانا خدا داد ، نواب ہوتی (چینی والے) حاجی کریم ، فیروز خان نون ، ریاض دولتانہ ، فیروز سنز ، عباس خلیلی ، حاجی دوسہ ، فقیر فیملی ، سلطان فیملی ، حاجی دوست محمد اور منو فیملی پر جا کر ختم ہوتی ہے - شبلی صاحب نے ہر صنعت کے خزانوں کے سانپوں کے نام الگ الگ بھی بتائے ہیں اور کارخانوں کے منافعوں کی شرح بھی دی ہے۔ بعض صورتوں میں ادا شدہ سرمائے پر منافع کا تناسب ۶۷ فیصدی کے قریب ہے - کارخانہ کپڑے کا ہو یا کھاد کا ، پٹ سن کا یا چینی کا ، بنک ہو یا بیمہ کمپنی ہو - ڈائرکٹروں کے نام دیکھیے تو ہر پھر کے وہی -

خط بڑھا ، زلفیں بڑھیں ، کاکل بڑھے ، گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ، ہندو بڑھے

یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ان لوگوں کی ترقی سے جلتے ہیں - پہلے جلا کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ جلنے کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ نقصان کا اندیشہ ہے ، کوئی کفر کا فتویٰ چپکا دے گا تو ہم نے جلنا بند کر کے خوش ہونا شروع کر دیا - بھئی آخر یہ لوگ غیر تھوڑی ہی ہیں ، اپنے پاکستانی بھائی

ہیں اور کلمہ گو مسلمان ہیں ، کبھی کبھی پل ، چاہ ، مسجد و تالاب بھی بنا دیتے ہیں - ادیبوں کے لئے انعامات کی صورت میں ذکوٰۃ بھی نکل آتی ہے اپنی ملوں کے مشاعروں میں شاعروں کو بھی بلا لیتے ہیں داد اور معاوضہ ایک طرف ، کپڑے کے تھان اور تولئے اور مرغن کھانے اس پر مستزاد -

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا

ایک بات البتہ ہے - جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے - غریب آدمی کو دیکھئے تو محنت مزدوری سے جو روپیہ دو روپیہ کمایا ، اسے کھا کر پیٹ پہ ہاتھ پھیرتا ہوا سو گیا - پیسے والے کی نیند حرام ہے ، یہ گوشوارہ بھرو ، وہ بھرو۔ یہ حساب دو - وہ حساب دو - انکم ٹیکس الگ ہے - سپر ٹیکس الگ ہے ، جائیداد ٹیکس الگ ہے - مزدور تنخواہیں بڑھوانے کے لئے ناک میں دم کر رہے ہیں - حکومت کہتی ہے ان کے علاج کا انتظام کرو - ان کو کوارٹر بنا کے دو - بابا کہاں سے کوارٹر بنا کر دیں - اخبار والے بھی دو دو ٹکے کے عوام کی پچ کرتے ہیں - سرمایہ دار غریب کا نقطہ نظر کوئی نہیں سنتا - ارے کوئی ہماری بھی غم کی کہانی سنے - ہماری بھی پریشاں بیانی سنے - ! اپنے مولوی صاحب تو سنتے ہیں اور بھی کوئی سنے -

شبلی صاحب زخم لگاتے جاتے ہیں ، پیچھے پیچھے احمد بشیر کہ پھر فلمکار سے قلمکار بن گئے ہیں ، نمک چھڑکتے

جاتے ہیں ۔ جس طرح آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک آدمی
ہل چلاتا جا رہا ہے دوسرا پیچھے بیج ڈالتا جا رہا ہے ۔ اچھی
ملی بھگت ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ بہت سے سیٹھوں کو اس
فہرست کے چھپنے کا بہت دکھ ہوا ہے ۔ کوئی ٹیلیفون کرتا
ہے میرا نام بیسویں نمبر پر کیوں ہے فلاں سے نیچے کیوں
ہے ، اوپر ہونا چاہئے ، عجت کا سوال ہے ۔ بعض کہتے ہیں
واہ ہمیں ان تین میں کیوں نہیں شامل کیا گیا ۔ ہم برادری
میں کیسے منہ دکھائیں گے ۔ مولوی عبدالحق فرماتے تھے کہ
جب گزشتہ صدی کے آخر میں پہلی بار اونچی حیثیت والوں پر
انکم ٹیکس لگا تو بہت سے لوگوں نے درخواستیں دیں کہ
جناب ہم پر بھی ٹیکس لگایا جائے ہم بھی حیثیت والے ہیں
ہماری بھی عجت کا سوال ہے ۔

خواجہ بلند بام کا ذکر چھوڑیئے اپنے کولہے پر کوڑا
ترقی کا پتنگ اڑاتا ہے تو آپ کا کیا لیتا ہے اس کے پاس
عقل حلال کا سرٹیفکیٹ ہے جو دین پناہوں نے دیا ہے
کوچہ گردوں کے احوال میں احمد بشیر صاحب مولانا بھاشانی
کا بیان نقل کرتے ہیں کہ "ضلع رنگپور کے سرحدی علاقوں
میں میں نے آٹھ تھانوں کا دورہ کیا ۔ ان علاقوں میں بارہ روز
کے قیام میں کسی بھی کسان کے گھر میں چاول پکتے نہیں
دیکھے ۔ بعض لوگ آٹا پانی میں گھول کر کھا رہے تھے"
بھاشانی صاحب کے اس بیان کے ڈانڈے میاں احمد بشیر نے

چکوال میں دولتانہ صاحب کے استقبال کے احوال سے جا ملائے
ہیں ۔ راوی ہیں کہ مغربی پاکستان کے سابق پارلیمنٹری
سیکرٹری میاں محمد اشرف نے جو ایک زمانے میں ایم این اے
بھی تھے ۔ میاں ممتاز دولتانہ کے دورۂ چکوال پر پانچ ہزار
کارکنوں کی ضیافت کی اور مرغ پلاؤ کے طباق عام کئے ۔ ایک
ہزار کو تو بارہ روپے فی کس کے حساب سے ہوٹل سے شیرمال
کھلوائے ۔ باقی چار ہزار کے لئے نائی سے دیگیں پکوائیں ۔
کھانے کے بعد مہمان ہاتھ دھوتے گئے اور میاں کی مسلم لیگ
کی ممبری کے فارموں پر دستخط کرتے گئے ۔ یہ آخری تبصرہ
بھی احمد بشیر صاحب ہی کا ہے کہ میاں صاحب کے ساتھ
سردار شوکت حیات صاحب ، خواجہ محمد صفدر ، چوہدری
محمد حسین چٹھہ اور با ادب با ملاحظہ ڈاکٹر جاوید اقبال بھی
تھے ۔ ہاں ہاں حکیم الامت علامہ اقبال کے فرزند دلبند ۔ یہ
ثابت کرنے کے لئے کہ ۔

شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

اے میاں شبلی ۔ اے میاں احمد بشیر کن چکروں میں
پڑے ہو ۔ اپنے آٹے دال کی فکر کرو اور اکبر کا کلام سنو ۔

اوج بخت ملاقی اُن کا — چرخ ہفت طباق اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا — آنکھیں میری باقی اُن کا

سٹاک ایکسچینج پر سرمایہ حصص کی رفتار ترقی

سال	سا نہ سرمایہ حصص (لاکھ روپے)	مجموعی سرمایہ حصص (لاکھ روپے)
1949	1078.54	1078.54
19 0	94.89	1173.43
1951	294.11	1467.54
1952	856.40	2323.94
1953	407.32	2731.26
1954	1060.25	4391.51
1955	259.26	4650.77
1956	1207.76	5858.53
1957	1831.05	7689.58
1958	308.81	7998.39
1959	880.16	8878.55
19 0	1198.45	10077.00
1961	1637.34	11714.34
1962	23 3.26	14087.60
1963	2747.06	16834.66
1964	3550.91	20415.57
1965	2678.24	23093.[illegible]1
1 66	1463.35	24557.16
1967	1968.60	26525.76
1968	3[illegible]24.08	30049.84
1969	3591.69	33641.53
1 70	4635.62	38277.15

نوٹ :- یہ اعداد و شمار ۳۱ اگست ۱۹۷۰ء تک ہیں

سٹاک ایکسچینج کی فہرست میں کاروباری اداروں کا شق وار سرمایہ

شق	کاروباری اداروں کی تعداد	ادا شد سرمایہ حصص (لاکھ روپے)
سرمایہ کار ادارے	5	650.00
بیمہ کمپنیاں	20	428.88
بنک	13	3514.00
سوتی پارچات	70	67 0.03
اونی پارچات	3	201.81
ریشم	14	1633.45
پٹ سن	25	3953.58
چینی اور قند	17	2956.03
سیمنٹ	5	1345.93
تمباکو	6	1371.76
ایندھن اور برق قوت	18	5127.76
انجینئرنگ	18	1600.82
ٹرانسپورٹ	7	2188.44
کیمیکل اور ادویہ سازی	13	1761,74
بناسپتی گھی	8	465.43
کاغذ اور گتہ	8	1247.40
تعمیر	3	150.00
متفرقات	30	2930.04
میزان	283	38277.15